



# عقیدے

کے سلسلے میں چند مقدمات

تفریغ

حافظ عبدالنواب محمدی

(فاضل جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگانی)

تقریر

شیخ ابورضوان محمدی

(استاد مرکز امام البخاری، تلوی، بھونڈی)

ناشر

جمعیت اہل حدیث کلیان

بسم الله الرحمن الرحيم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ  
أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ  
فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ  
وَرَسُولُهُ،

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ  
مُسْلِمُونَ﴾ (سورہ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ  
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ  
وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورہ نساء: 1)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ  
أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾  
(سورہ احزاب: 70-71)

قال الله تبارك وتعالى: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ  
مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (سورہ آل عمران: 85)

مجھے آپ لوگوں کے اس پروگرام میں شرکت سے اتنی خوشی اور سعادت کا احساس ہو رہا  
ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ حالانکہ آپ لوگوں نے جس منصب اور ذمہ داری پر مجھے بٹھایا ہے  
میں اپنے آپ کو اس سے بہت کمتر سمجھتا ہوں۔ لیکن اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ  
کے جذبہ خیر کو اور میرے یہاں بیٹھنے کو قبول فرمائے اور ہمارے اس دینی کام کو مفید اور دنیا و

آخرت کی سعادت مندی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

مجھ سے کہا گیا کہ عقیدے سے متعلق کچھ باتیں کی جائیں اور ظاہری بات ہے کہ یہ ہمارے دین کی بنیاد ہے، منہج ہے۔ اسے ٹھیک اور درست کئے بغیر ہم دنیا میں کوئی بھی دینی و شرعی عمل کرتے ہیں تو ہمارا وہ عمل رائیگاں ہوگا۔ عقیدے کی اصلاح کا معاملہ دیگر اعمال کی اصلاح کی مانند نہیں ہے۔ یہ ہمارے لئے لازمی اور جبری ہے۔ کل ایک آدمی نے مجھ سے سوال کیا کہ ایک آدمی کو پتہ نہیں ہے کہ یہ شرک ہے تو کیا اسے اللہ کے یہاں چھوڑ دیا جائے گا؟ میں نے اسے جواب دیتے ہوئے سورہ اعراف کی آیت سے استدلال کیا: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ

بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾ (سورہ اعراف: 172)

اس آیت میں اور آگے کی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آدم کی پیٹھ سے تمہیں نکال کر عالم ارواح میں جو تم سے عہد و پیمان لیا، اس عہد و پیمان کے لینے کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے غافل تھے، ہم کو پتہ نہیں تھا۔ اس آیت سے صاف صاف پتہ چلا کہ توحید کے معاملے میں، عقیدے کے معاملے میں قیامت کے دن اللہ کے پاس یہ بہانہ، یہ عذر نہیں چلے گا کہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ اس بات کو ذہن و دماغ میں اچھی طرح بٹھالیجئے۔ شرک و توحید اور عقیدے کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے، فرض اور ضروری ہے۔ جیسے نماز ہم پر اور آپ پر فرض ہے اور فرض ہونے کی وجہ سے نماز کا سیکھنا ضروری ہے ایسے ہی توحید کا اختیار کرنا اور شرک سے بچنا ہر بندے کو جہنم سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں پیدا اسی مقصد کے لئے کیا ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق اسی لئے کی۔ جنت جہنم کو اسی لئے پیدا کیا کہ جو شرک کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو توحید اختیار کرے گا وہ جنت میں

جائے گا۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا آغاز، انجام اور خلاصہ یہی توحید کا حکم دینا اور شرک سے بچنا اور روکنا تھا۔ اب اگر ہم یہ کہیں کہ ہمیں توحید اور شرک کے مسائل معلوم نہیں تھے اس لئے ہم نے شرک کر لیا۔ اللہ نے کہا ایسا نہیں چلے گا۔ قیامت کے دن تمہاری یہ بات بھی قابل قبول نہیں ہوگی کہ باپ دادا شرک کرتے تھے، اُن کے بعد ہم اُن کی اولاد تھے، اُن کی تقلید کرتے تھے جیسا کہ دنیا میں کچڑا پہننے اور کھانا کھانے میں، غذاؤں کے استعمال میں کیا کرتے تھے کہ ماں باپ نے جو پہنایا پہن لیا جو انہوں نے کھلایا کھالیا، جو ماں باپ کی زبان ربی وہی بولنے لگے تو ماں باپ جس کی پوجا کرتے تھے ہم بھی پوجنے لگے۔ قرآن کہتا ہے یہ جواب بھی نہیں چلے گا، نہ تقلید کا عذر چلے گا، نہ جہالت کا عذر چلے گا۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی رحمہ اللہ جو تقلید کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ عقیدے میں تقلید نہیں چلے گی۔ ہر انسان عالم ہو یا جاہل مرے گا تو قبر میں تین سوال ہوگا: **مَنْ رَبُّكَ؟ وَمَاذَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ؟** (مختلف روایات کے الگ الگ الفاظ ہیں۔) تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور اس شخص محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے اور جانتے ہو؟ یہ تین سوال ہیں۔ اگر ان تین سوالوں کے جواب میں بندہ کافر و منافق کی طرح کہتا ہے: **هَآ هَآ لَا أَدْرِ جِی** (ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔) **سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُ** (میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں بھی کہنے لگا۔) لوگوں کی دیکھا دیکھی میں کہہ رہا ہوں۔ یہی تو تقلید ہے۔ لوگ جو کہتے تھے ہم بھی وہی کہتے ہیں۔ آج ہمارے یہاں بہت سارے لوگوں کی یہی دلیل ہوتی ہے۔ اتنے سارے لوگ کر رہے ہیں تو کیا غلط ہے؟ اتنے سارے لوگ کر رہے ہیں اس لئے میں کر رہا ہوں۔ سب اس لئے کر رہے ہیں کہ دوسرے کر رہے ہیں، دلیل کسی کے پاس نہیں ہے۔ کیا یہ

معاملہ چل جائے گا؟ بات بن جائے گی؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس حدیث پر کسی مسلک والے کو اختلاف نہیں ہوگا۔ جو عذاب قبر کے منکر ہیں اُن کی بات نہیں کرتا۔ فرشتوں کے جواب میں کافر اور منافق کہیں گے: ”ہمیں نہیں پتہ، لوگوں کو کہتے سنا تو ہم نے بھی کہا۔“ فرشتے جواب کیا دیں گے:

”**لَا دَرِيَّتَ لَا تَلَبَّتْ**“ (نہ تو نے جانا، نہ تو نے پڑھا) اور پھر اس پر عذاب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ وہ ایسی چیخ مارے گا کہ اگر وہ انسان و جنات سن لیں تو برداشت نہیں کر پائیں گے۔ اپنے مُردوں کو دفن نہیں کریں گے، جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔ غور کیجئے فرشتے کیا کہیں گے؟ نہ تو نے جانا، نہ پڑھا۔ اور اس کو عذاب کا مستحق مانا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ **مَنْ رَزَقَهُ رَبُّكَ** تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان سوالوں کا جواب سیکھنا ہر مرد و عورت پر، ہر خاص و عام پر فرض اور لازم ہے۔ اگر اس نے نہیں پڑھا، نہیں سیکھا تو یہ **هَآءَا اَدْرِجِي** (ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔) کا جواب دینا پڑے گا۔ اور فرشتے کہیں گے نہ تو نے سیکھا، نہ تو نے جانا اور پڑھا۔ تعلیم حاصل ہی نہیں کی۔ اس لئے عقیدے کا سیکھنا اور جاننا جو دین کی بنیاد ہے انتہائی ضروری ہے۔

میں نے خطبہ مسنونہ کے بعد آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (سورہ آل عمران: 85) ترجمہ: ”جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین و مذہب کو پسند کرے گا، قبول کرے گا وہ اللہ کے یہاں کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔“ اکثر میں کہا کرتا ہوں ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ سارے مذاہب سچے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ محبت کے پھیلانے اور یگانگت کو عام کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن یہ فکر کبھی کامیاب اور کارگر نہیں ہوئی۔ دنیا کا سب سے بڑا دھوکہ اور سب سے بڑا فراڈ ہے۔ نوجوان اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ بھی صحیح ہے، وہ بھی صحیح ہے۔ سارے دھرم سچے ہیں۔ سب ایشور کی طرف جانے کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ بلڈنگ ہے اوپر چھت ہے۔ ایک آدمی سیڑھی سے جا رہا ہے، ایک آدمی رسی سے لٹک کے جا رہا ہے، ایک بازو کے درخت سے چڑھ کر جا رہا ہے، ایک آدمی دوسرے کے کاندھے پر چڑھ کے جا رہا ہے، ایک آدمی کود کے جا رہا ہے، ایک آدمی بانس سے جمپ مار کے جا رہا ہے۔ راستے الگ الگ ہیں، منزل سب کی ایک ہے۔ یہ ہمارے یہاں عام طور پر کہا جاتا ہے، فلسفہ بگھارا جاتا ہے۔ لیکن اس سے بڑا جھوٹ بولا ہی نہیں جاسکتا۔ چار راستے ہیں، چار طرف چلنے والے، ایک دوسرے سے دور ہوں گے۔ اب اگر ممبئی کی ٹرین میں بیٹھیں گے تو دلی نہیں پہنچیں گے۔ **ایک مذہب کہتا ہے کہ بت کی پوجا پنیہ (نیلی) ہے، دوسرا مذہب کہتا ہے کہ مہا پاپ (سب سے بڑا گناہ) ہے۔ شرک اکبر ہے، اسی پر مر گئے تو کبھی جنت نہیں ملے گی۔ کیا دونوں صحیح ہیں؟ ایک دھرم کے لوگ کہتے ہیں کہ جانور ذبح کر دیا، جیو ہتھیا ہے، بہت بڑا گناہ ہے، پاپ ہے۔ ہمارا یہاں قربانی عبادت ہے۔ دونوں صحیح ہیں؟ کیسے ممکن ہے؟ یہ فلسفہ درست نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہ بنیادی بات ذہن و دماغ کے اندر رکھیں: دین ایک ہی صحیح ہے۔ جو سب سے سچا ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور ہمیں اسی کی تلاش کرنی ہے۔ **کون بتائے گا کہ دین کون سا صحیح ہے؟ کون کہے گا؟** میں اکثر مثال دیتا ہوں: یہ موبائل رکھا ہوا ہے، اس کی کپنی جو بھی ہو۔ سیمنگ (Samsung) کپنی کا ہے۔ اگر اس میں کوئی مسئلہ ہو جائے تو اسے درست کرنے کے لئے، اس کے پارٹس کو تبدیل کرنے کے لئے، اس کو درست کروانے کے لئے کیا آپ نوکیا (Nokia) کے انجینئر کے پاس جائیں گے؟ نوکیا (Nokia) کا پارٹ لانے جائیں گے؟ کپنی سے پوچھیں گے کہ ہمارے موبائل میں فلاں فلاں مسئلہ ہے، کیسے درست ہوگا؟ سیمنگ (Samsung) کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے نوکیا (Nokia) کے پاس جائیں گے کیا؟ میرا سوال ہے آپ سے۔ نہیں۔ جو موبائل آپ جس کپنی کا لائیں ہیں، اسی کے انجینئر سے مسئلہ حل**

کروائیں گے۔ جو کٹمر کیئر (Custmer Care) اس نے کھول رکھا ہے وہیں جائیں گے۔ اب ہم کو اور آپ کو کس نے بنایا؟ دنیا اور کائنات کو کس نے بنایا؟ اللہ نے۔ اس کی دلیلیں ہیں۔ باقی اللہ کے علاوہ جن کو پوجا جاتا ہے، قرآن کہتا ہے کہ وہ ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے۔ جب وہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے تو آسمان، زمین، پیڑ، پودے، ہم کو، آپ کو، ساری دنیا کو کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ غرض سب کو اللہ نے پیدا کیا۔ ہمیں اور آپ کو اللہ نے پیدا کیا۔ آسمان و زمین کو اللہ نے بنایا۔ تو کیا اللہ کے سوا دوسرے لوگ بتائیں گے کہ کیوں پیدا ہوئے؟ ہمارے پیدا ہونے کا مقصد کیا ہے؟ مرنے کے بعد ہم جائیں گے کہاں؟ کون بتائے گا؟ تو اللہ نے ہم کو پیدا کیا۔ پروردگار، رب العلمین اللہ ہے وہ بتائے گا کہ ہم کو کیوں پیدا کیا؟ اب اسی سے پوچھیں کہ کیوں پیدا کیا؟ سوال کیا تو اللہ نے جواب دیا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورہ اعراف: 56) ترجمہ: ”جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ صرف میری عبادت کریں، تو حید اختیار کریں۔“ پوچھا گیا: پروردگار! دنیا میں تیرا پسندیدہ مذہب کون سا ہے؟ جواب آیا: ﴿لَئِنْ دَلَّيْنِ عَنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامَ﴾ (سورہ آل عمران: 19) ترجمہ: ”میرا پسندیدہ دین اسلام ہے۔“ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کیا دوسرے مذہب پر بھی ہم پھلیں تو کام چل جائے گا؟ دین نہ سیکھیں؟ ماحول کو دیکھ کر فلاں لوگ یہ مان رہے ہیں ہم بھی مان لیں، چلے گا؟ تو جواب آیا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (سورہ آل عمران: 85) ترجمہ: ”جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین و مذہب کو پسند اور اختیار کرے گا وہ اللہ کے یہاں کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔“ جو آیت میں نے پڑھی کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا، بطور دین و مذہب کے اختیار کرے گا تو ﴿فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ اس سے یہ دین اور مذہب ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (سورہ آل عمران: 85) ”وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں

میں سے ہوگا۔“ جہنم کا ایندھن بنے گا، دوسرے مذہب کو مان کر مر گیا تو۔ صاف اعلان ہے۔ کامیابی اور سرخ روئی نہیں مل سکتی، اگر ہمیں کامیابی حاصل کرنی ہے، رب جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ تو پہلی چیز رب نے یہ بتائی کہ اس کا پسندیدہ دین اسلام قبول کرو جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ، اپنی کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچایا ہے۔

اب دین کیا ہے؟ دین کے حاصل ہونے کی بنیادیں کیا ہیں؟ دین مجموعہ ہے عقائد کا، اعمال کا، اصول اور فروع کا۔ عقائد و اصول جڑ اور بنیاد کہلاتے ہیں۔ اگر جڑ اور بنیاد نہ ہو تو شاخوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ آپ کا عقیدہ درست نہیں ہے تو نماز، روزہ، صدقہ و زکوٰۃ کچھ بھی قبول نہیں ہوں گی۔ اس کی دلیلیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث جبریل، دین اور اس کی بنیادوں کو بیان کرتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آئے۔ ”حدیث جبریل“ کے نام سے یہ حدیث آپ نے سنی ہوگی، بخاری اور مسلم وغیرہ کی مشہور حدیث ہے۔ حضرت جبریل انسانی شکل میں آئے، دو زانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اس وقت لوگوں کو پتہ نہیں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ: سفید کپڑے والا ایک شخص جس پر سفر کا کوئی بھی نشان اور علامت نظر نہیں آرہی تھی، نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، اگر شہر کا ہوتا تو لوگوں کو پہچاننا چاہئے تھا اور مسافر ہوتا تو مسافر ہونے کی علامتیں ہونی چاہئے تھیں۔ وہ اللہ کے نبی کے سامنے بیٹھا اور پوچھا: **يَا مُحَمَّدُ! مَا الْإِسْلَامُ؟** (اے محمد ﷺ! بتائیے اسلام کیا ہے؟) اللہ کے نبی ﷺ نے جواب دیا: **”الْإِسْلَامُ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ تَقِيَمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا“** (اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود



نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (پنج وقتہ) نماز قائم کرو، (صاحب نصاب ہونے کی صورت میں اپنے مال کی) زکوٰۃ ادا کرو، (رمضان المبارک کے) روزے رکھو اور اللہ نے استطاعت دی ہے تو حج ادا کرو۔) یہ اسلام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا تو اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تعجب ہوا کہ یہ سوال بھی کر رہا ہے اور اس کی تصدیق بھی کر رہا ہے کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر پوچھا: **مَا الْإِيمَانُ؟** ایمان کیا ہے؟ آپ نے ایمان کی چھ بنیادیں بتائیں کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت پر اور تقدیر کے بھلے برے پر یقین رکھو۔ یہ چھ چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں۔ اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے پوچھا: احسان کیا ہے؟ آپ نے کہا: **”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا كُنْتَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ“** (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت یوں کرو جیسے کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہیں تو کم از کم ایسا ہو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔) اس نے کہا: قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ نے جواب میں کہا: **”مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ“** کہ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس کا یہ مطلب بھی نکلا کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں اور اللہ نے مجھے نہیں بتایا کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ جتنا آپ کو نہیں معلوم ہے اتنا مجھے بھی نہیں معلوم ہے۔ کہا: اچھا! اس کی علامتیں کیا ہیں؟ آپ نے قیامت کی کچھ نشانیاں بتائیں: **”أَنْ تَلِدَ الْأُمَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْخَفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَوَّلُونَ فِي الْبُنْيَانِ“** (لوڈی اپنی مالکن کو جنم دے گی اور یہ کہ تم ننگے پیر، ننگے بدن، محتاج اور بکریاں چرانے والوں کو دیکھو گے کہ وہ اونچی سے اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔) جس کا ایک معنی یہ ہے کہ لڑکیاں اپنی ماں پر حکم چلائیں گی۔

یہ سارے سوالات ہو گئے تو وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ عمر! جانتے ہو کہ یہ جو آنے والے تھے وہ کون تھے؟ کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے ”اتَاكُمْ لِيَعْلَبَكُمْ دِينُكُمْ“ (تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھائیں۔) رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ دین سکھانے کے لئے انہوں نے کیا کیا سوال پوچھے؟ اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ قیامت کب واقع ہوگی؟ قیامت کی علامتیں کیا ہیں؟ اب غور کیجئے کہ اسلام کے ارکان میں نماز کے لئے وضو شرط ہے، غسل ہے، طہارت ہے، حیض و نفاس سے خواتین کو پاک ہونا ہے۔ یہ ساری چیزیں نماز سے جڑی ہوئی ہیں۔ اس طرح ارکان اسلام اپنے اندر یا اپنے ساتھ بہت سے متعلقہ امور سمیٹے ہوئے ہیں۔ ایمان کی چھ بنیادوں کے ضمن میں قرآن و سنت میں بیان کردہ تمام غیبی امور شامل ہو جاتے ہیں۔ احسان میں فرائض سے زائد عقائد اور اعمال کی خوبیاں آ جاتی ہیں، علامات قیامت میں قیامت تک ہونے والے امور کا اجمالی ذکر آ جاتا ہے۔ (یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جب اسلام اور ایمان کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے تو دونوں میں ہر ایک دوسرے کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور جب دونوں کا استعمال ایک ساتھ ہوتا ہے تو ان کے معنی فرق کیا جاتا ہے، اسلام ظاہری اعمال و ارکان سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان باطنی یقین یعنی اعتقادی امور سے عبارت ہوتا ہے، اس طرح اسلام، دین کی ظاہری اور عملی شکل ہے جبکہ ایمان باطنی اور اعتقادی چیز ہے اور احسان دونوں کی تحسین و خوبصورتی اور آرائش ہے۔) اگر اس طریقے سے آپ غور کریں گے تو اس میں پورا دین آ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کا مجموعہ ”دین“ ہے جو عقیدہ بھی ہے اور اعمال بھی۔ اب پورا دین ہمیں کہاں سے ملے گا؟

یہاں میرے ہاتھوں میں ”دکتور عبداللہ الشریقہ“ کا تصنیف کردہ ایک کتابچہ ہے جس کی

عقیدے کے دو تین بڑے بڑے علماء نے تصدیق اور تعریف کی ہے اس کا نام ہے:

”مُقَدَّمَاتٌ فِي الْعَقِيدَةِ“ (عقیدے کے سلسلے میں چند مقدمات) یہ مقدمات کچھ اصول اور ضابطے ہیں۔ کچھ ایسی بنیادی باتیں ہیں جن کو اختیار کئے بغیر ہم اور آپ اہل سنت والجماعت کا صحیح عقیدہ، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صحیح اور سچے عقیدے کو اختیار نہیں کر سکتے جو صراطِ مستقیم ہے۔ ان مقدمات اور ضابطوں کے بغیر ہم صحیح منہج کو نہیں جان سکتے۔ یہ مقدمات (اصول و ضوابط) قرآن و حدیث سے ماخوذ اور مستنبط ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین اور اہل سنت کے علماء کے یہاں یہ اصولی باتیں متفق علیہ ہیں۔ ان مقدمات کو اگر کوئی شخص مرد (نوجوان) ہو یا عورت سیکھ لے تو دنیا کا کوئی بھی فریبی یا گمراہ کرنے والا فرد اور فکر اس کے عقیدے کو خراب نہیں کر سکتے۔ وہ انحراف سے بچ جائے گا۔ دین کو صحیح جگہ سے لے گا۔ دین کو وہیں سے لے گا جہاں سے لینا چاہئے۔ اور دین میں گمراہی سے، انحراف سے اور گمراہ لوگوں کے جو غلط مذاہب رائج ہیں، خواہ وہ مختلف فرقوں اور مکاتب کی شکل میں اسلام اور مسلمانوں کے نام سے (لوگوں میں پائے جاتے ہوں اور بہت سے لوگوں نے انہیں دین حق سمجھ کر اپنا رکھا ہے اور اپنا مسلک و مذہب بنا رکھا ہے) اُن سب سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

اس اعتبار سے یہ جو مقدمات بیان کرنے جا رہا ہوں۔ اگرچہ ہو سکتا ہے میرے سمجھانے کی کمی کی وجہ سے آپ کو خشک لگے۔ ایسا لگے کہ بہت دل چسپی کی بات نہ ہو لیکن یہ انتہائی اہم چیزیں ہیں۔ یہ ذہن و دماغ کو کھول دینے والی ہیں۔ شاید ان میں کچھ باتیں ایسی ہوں جو آپ کو بظاہر لگے کہ ہم اس کو جانتے ہیں لیکن ان اصولوں کو اگر کوئی شخص، کوئی طبقہ، کوئی فرقہ اور گروہ کو ملحوظ نہیں رکھتا یا اس سے ہٹ کر کوئی اصول اختیار کرتا ہے تو وہ یقینی طور سے گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔ لہذا پوری توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مصنف نے اصولوں سے پہلے ”المقدمة الاولى“ یعنی پہلے مقدمے کے تحت یہ بنیادی باتیں بیان کی ہیں کہ اللہ عزوجل کا یہ جو دین ہے اس کا سیکھنا ہمارے لئے ضروری ہے: ”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ“ جس کے بارے میں ابھی ہم نے آیت سنی کہ ”اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (سورہ آل عمران: 85) ”کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین اور مذہب اختیار کرے گا تو وہ اللہ کے یہاں ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا“ اب اگر ہمیں مقبول دین قبول کرنا ہے تو وہ ہمیں کہاں سے ملے گا؟ اسی کو بیان کرتے ہوئے پہلے مقدمے میں انہوں نے کہا کہ ”دِينُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْخَذُ مِنَ الْوَحْيِ“ (اللہ عزوجل کا دین وحی سے حاصل ہوتا ہے۔ وحی سے لیا جائے گا۔) اور وحی کیا ہے؟ یہ وہ وحی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سچے انبیاء و رسولوں اور پیغمبروں کی طرف بھیجی۔ اور حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام سے یہ سلسلہ مختلف موقعوں پر جاری رہا۔ یہاں تک کہ اس کا اختتام محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ہوا۔ یعنی دین اور شریعت کے احکامات کی وحی کا یہ سلسلہ محمد ﷺ پر ختم ہو گیا۔ اب اگر مرزا غلام احمد قادیانی یا کوئی اور شخص یہ کہتا ہے کہ میری طرف وحی ہوتی ہے تو وہ گمراہ ہے، کافر ہے۔ قرآن و حدیث کی واضح دلیلیں بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، اب قیامت تک یہی محمد ﷺ کا دین رہے گا، اس میں کوئی تبدیلی واقع ہونے والی نہیں، قیامت تک آپ کا دین قائم رہے گا۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ مجھے خواب دکھا، کشف ہوا تو اس کے خواب اور کشف کی بنیاد پر دین میں کوئی اضافہ یا کوئی کمی نہیں ہوگی۔ کسی کی رائے اور ذوق کی بنیاد پر کسی کے خواب کی بنیاد پر دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ یہ اصولی چیز دماغ میں رکھئے۔ غرض محمد رسول اللہ ﷺ پر اس وحی کا اختتام ہوا۔ آپ پر جو وحی آئی وہ دو چیزوں یا دو شکلوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو قرآن ہے جسے وحی متلو کہا جاتا ہے اور دوسرے نبی کریم

ﷺ کی حدیثیں بھی وحی کا حصہ ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (سورہ نجم: 3-4) ترجمہ: ”وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔“ اسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ اس وحی میں دو طریقے کی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو اس میں خبر ہوتی ہے۔ **خبر کیا ہوتی ہے؟** اللہ کے بارے میں خبر ہوتی ہے مخلوق کے بارے میں خبر ہوتی ہے۔ جنت ہے، جہنم ہے، اللہ تعالیٰ کے یہ یہ نام ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یہ ہیں۔ یہ خبر ہے۔ اور خبر کے علاوہ ایک انشاء ہوتی ہے۔ (جملہ خبریہ وہ جملہ ہوتا ہے جس میں سچ اور جھوٹ ہونے کا احتمال ہوتا ہے جبکہ جملہ انشائیہ وہ جملہ ہوتا ہے جس میں سچ اور جھوٹ کا احتمال نہیں ہوتا۔ اس میں وہ جملے بھی ہوتے ہیں جن میں حکم (امر) ہو یا نہی (ممانعت) ہو، یا تعجب یا استفہام (سوال) یا عرض و گزارش وغیرہ۔) **انشاء کہتے ہیں: ”کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینا۔“** نماز پڑھو، یہ حکم ہے۔ زکوٰۃ دو، یہ کرنے کا حکم ہے۔ زنا نہ کرو، والدین کی نافرمانی مت کرو، شرک مت کرو، چوری مت کرو، جھوٹ مت بولو، یہ حکم ہے کہ یہ کام نہ کرو۔ اس کو انشاء بولا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جتنی بھی وحی ہے جو اللہ نے آسمان سے اتاری ہے وہ ان دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یا تو اس میں خبر ہے یا انشاء ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو خبریں دی ہیں ان کے متعلق ہمارا اور آپ کا فرض یہ ہے کہ ہم ان خبروں کو سچا مانیں، پکا ایمان رکھیں۔ مثلاً ایمان رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جنت و جہنم موجود ہیں، سوہم مانتے ہیں۔ فلاں فلاں اتنے پیغمبر گزرے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ اللہ کے رسول تھے، ان کے ساتھ یہ یہ واقعات پیش آئے۔ چنانچہ وحی کی ان تفصیلات پر ہمارا ایمان ہے۔ قبر میں ایسا ہوگا، آخرت میں ایسے معاملات ہوں گے، اللہ کی یہ صفات ہیں، فرشتے ایسے ہوتے ہیں، فرشتوں کی یہ صفات ہیں، کچھ فرشتوں کے نام بتائے، کچھ کام بتائے گئے، بعض کے

نام اور کام دونوں بیان کئے گئے، مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام یہ کرتے ہیں۔ اسرافیل ہیں، منکر نکیر ہیں، ملک الموت ہیں، فلاں فلاں فرشتے ہیں، یہ غیب کی باتیں ہیں، ہم نہیں جانتے تھے، ہمارے پاس جاننے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ اللہ نے وحی کے ذریعہ سے یہ باتیں بتائی، ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کی تصدیق کریں۔ اس پر یقین کریں کہ اللہ نے جیسا کہا ہے ویسا مانتے ہیں۔ خبر کے بارے میں ہم کو تصدیق کرنی ہے۔ اس پر یقین اور عقیدہ ہونا چاہئے۔ اور جو اوامر و نواہی ہیں، حکم ہیں، جس کو انشاء کہا کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو، اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم اس کو دین مانیں، عقیدہ رکھیں کہ اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، یہ دین ہے۔ پہلے اس کی تصدیق کریں، یہ ایمان کا حصہ ہے۔ اس کا انکار کریں گے تو کافر ہو جائیں گے۔ اور پھر تصدیق کرنے کے بعد اس میں جو کرنے یا نہ کرنے کا تقاضہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے کیا گیا ہے، اس پر اپنی طاقت کے مطابق عمل کریں۔ نماز پڑھو! حکم ہے تو نماز پڑھنے کی پوری کوشش کریں۔ زکوٰۃ دو، والدین کی فرمانبرداری کرو، جو جو حکم دیا گیا ہے کرنے کے لئے، ہم کریں۔ جن سے منع کیا گیا ہے ان سے بچیں، یہ اللہ کے دین کے اندر جو انشاء ہے اس کا فریضہ ہوا۔ اس اعتبار سے **اہل علم نے دین کی ان دو چیزوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک عقیدہ اور ایک شریعت۔** شریعت یعنی احکام و مسائل۔ عقیدے کے مقابلے میں شریعت ہے۔

**احکامات دو طریقے کے ہیں: ایک شعائر ہیں اور ایک شرائع۔** شعائر کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ عبادات ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عبادتیں ہیں۔ ارکان اسلام وغیرہ یہ شعائر ہیں۔ اور معاملات جیسے بیوع، لین دین، قسم کھانا، نذر ماننا، حُدود، نکاح، طلاق یہ احکامات ہیں، معاملات ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا کہ اللہ کا کلام یا تو خبر ہے یا امر ہے جو

میں نے بیان کیا اور خبرِ مخبر کی تصدیق چاہتی ہے کہ ہم یہ بات مانیں کہ قرآن میں اللہ نے یہ جو کہا اور رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، سند صحیح ہے اور ثابت ہے تو ہم اس کو مانیں، اس کی تصدیق کریں۔ انکار نہ کریں۔ دین کو ماننے کے لئے یہ ضروری ہے۔ اور امر کے معاملے میں یہ ہے کہ جو حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیا ہم اس کے سامنے سر جھکا دیں۔ اس کے تابع داری اور پابندی کرنے کی کوشش کریں۔ ایسی ہی بات علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔

اب یہ جان لینے کے بعد کہ دین کی دو قسمیں (اصول و فروع یا عقیدہ و احکام) ہیں تو ہم اس کے متعلق گفتگو کرنے جا رہے ہیں کہ **عقیدہ کسے کہتے ہیں؟** اختصار میں **عَقْدٌ يَعْقِدُ** کا معنی ہوتا ہے: ”مضبوطی سے باندھنا، گرہ لگانا، تاکید کرنا، مضبوط اور پکا کرنا۔“ **اِعْتَقَدَ الْأَمْرَ** کا معنی ہوتا ہے کسی بات کی تصدیق کرنا، نہایت پختہ یقین رکھنا، دین بنانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے: ﴿وَأَحْلَلْ عَقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي﴾ کہ میری زبان کی گرہ یا بندھن یعنی لکنت کو کھول دے۔ سورۃ الفلق میں ﴿مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ﴾ **الْعُقَدُ** کا معنی ہے: گرہیں یعنی گانٹھیں۔ یہ لغوی معنی ہوتا ہے۔ اور اصطلاح میں عقیدے کا مطلب ہوتا ہے: **الْعَقِيدَةُ هِيَ الْإِيمَانُ الْجَائِزُ الْمَتَّبَعُ لَا يَتَطَرَّقُ إِلَيْهِ شَكٌّ وَلَا تَرَدُّدٌ وَلَا اِمْتِنَانٌ** کہ: ”عقیدہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کا دل میں انتہائی مضبوط یقین ہو جس میں شک، تردد، جھجھک اور گمان کے داخل ہونے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔“ مثال کے طور پر اللہ ہے۔ ہمارا دل اس پر یقین رکھے۔ یہ عقیدہ ہے۔ اگر ہم کو شک ہے کہ اللہ ہے کہ نہیں ہے۔ شک آجائے۔ ایک ہی ہے یا ایک کے علاوہ بھی ہے۔ شک آجائے تو یہ عقیدہ نہیں رہ جائے گا۔ ایمان نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ اس میں شک آگیا ہے۔ جس چیز میں شک آگیا، یقین نہ رہا تو وہ عقیدہ نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ عقیدہ ایمان جازم کو، پختہ یقین کو کہتے ہیں، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب کوئی شخص اگر ایسی چیز کا ایمان رکھتا ہے کہ میں فلاں

فلاں چیز کو صحیح مانتا ہوں، میرا عقیدہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس پر یقین رکھتا ہے۔  
**”اِعْتَقَدْتُہُ“** (میں نے اس کا عقیدہ رکھا۔)

اب اگر ہم بہت سارے گمراہ فرقے باطنیین، متکلمین، معتزلہ اور گمراہ فرقوں کو دیکھیں، یہود و نصاریٰ کو دیکھیں، تمام گروہوں کو دیکھیں، بدھ مذہب کے ماننے والوں، ہندو دھرم کو ماننے والوں کو اور دوسرے بہت سارے لوگوں کو اور خود مسلمانوں کو دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہر مذہب کا ماننے والا کچھ نہ کچھ چیزوں پر یقین رکھتا ہے کہ یہ ایسا ہے۔ کوئی گوتم بدھ کو خدا مان رہا ہے۔ اس کے تعلق سے کچھ عقیدہ رکھ رہا ہے۔ نصاریٰ، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو **نعوذ باللہ** اللہ کا بیٹا کہہ رہے ہیں۔ تو ایسی کچھ نہ کچھ چیزوں پر ہر مذہب کے ماننے والے یقین و اعتقاد رکھتے ہیں، ایمان جازم رکھتے ہیں۔ ایسے ہی مسلمان ہیں۔ تو اسی بنیاد پر ہم کہیں گے کہ عقیدہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عقیدہ وہ جو صحیح ہو۔ ایک عقیدہ وہ جو باطل ہو، غلط ہو۔

**صحیح عقیدہ کیا ہے اور باطل عقیدہ کیا ہے؟** ہم دنیا کے دوسرے مذاہب کے اور دوسرے الگ الگ مسلک کے لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہیں۔ باطنی ہیں، شیعہ اور روافض ہیں۔ اہل سنت والجماعت ہیں۔ شیعہ یہ کہہ رہے ہیں کہ بارہ امام کا ایسا ایسا معاملہ ہے، وہ عالم الغیب ہیں۔ یہ ان کا عقیدہ ہے۔ ہم کہتے ہیں نہیں، وہ عالم الغیب نہیں ہیں، یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ تو **کون سا عقیدہ صحیح ہے؟ کون سا عقیدہ غلط ہے؟ ہم کیسے مانیں گے؟ ہم کیسے جانیں گے؟ ایک عام آدمی کیسے جانے گا؟** اس کو جاننا ضروری ہے۔ ابھی میں نے بتایا کہ جہالت کا عذر نہیں چلے گا۔ صرف اتنا کہنے سے کہ ہمیں تو معلوم (علم) ہی نہیں تھا، کوئی انسان بیچ نہیں سکے گا۔ اسی طرح ہمارے یہاں ایک بڑا طبقہ عوام کامرد ہو یا خواتین اس طرح سوچتا ہے کہ اتنے سارے لوگ مانتے ہیں، اتنے بڑے مولانا صاحب ہیں، ایسے پینچے ہوئے یا پیر صاحب اور اتنے جُبے قُبے والے ہیں، ٹی وی پر روز



آتے ہیں تو ان کی بات غلط کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر یہ معیار صحیح مانا جائے تو کیا دنیا کا کوئی مذہب غلط ہو سکتا ہے؟ ہر دھرم اور مذہب کے ماننے والوں کے لوگ ٹی وی پر آتے ہیں، بڑی بڑی شخصیات ہیں، بڑے بڑے لوگ ہیں جن کو وہ ہوا میں اڑاتے ہیں، پانی پہ چلاتے ہیں۔ تو شخصیات کے نام اور شہرت سے کسی کی بات ثابت یا رد نہیں ہوتی۔ اس کے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے جو اصول و ضابطہ ہے: اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

ابھی ہم نے یہ بنیادی ضابطہ اور مقدمہ پڑھا کہ انسان کے پاس غیب کی عقیدے کی باتوں کو جاننے کے لئے صرف اور صرف ایک ذریعہ ہے وحی الہی کا۔ اب وہ (وحی) یا تو اللہ کی کتاب کی شکل میں ہے یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی شکل میں ہے۔ لہذا ہر خاص و عام اچھی طرح جان لے کہ ہمارے سامنے یہی معیار ہے کہ ہم اسی چیز کو صحیح عقیدہ مانیں گے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ قرآن و حدیث کی دلیلیں جس کی تائید کریں اور جس خیال کی تائید قرآن و حدیث کی دلیل نہ کرتی ہو وہ صحیح عقیدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو ہم کہیں گے یہ عقیدہ، باطل عقیدہ ہے۔ اس کی مثال صاحب کتاب نے دی کہ جیسے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا عقیدہ صحیح ہے، نصاریٰ کا عقیدہ غلط ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ مثال کے طور پر مسلمان کہتے ہیں کہ اللہ اکیلا ہے، وحدہ لا شریک ہے، **الصَّمَدُ** ہے، **الْأَحَدُ** ہے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ **”إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ**

**ثَلَاثَةٌ“** (اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔) تثلیث کے قائل ہیں۔ ہندو ہمارے یہاں عوامی سطح پر کہتے ہیں کہ جتنے کنکر اتنے شکر۔ ان کے پنڈت دوسری باتیں کہتے ہیں۔ میں اس تفصیل میں جاؤں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ میں نے صرف ایک مثال دے دی (جو صاحب کتاب نے ذکر کی ہے)، آپ غور کیجئے۔ نصاریٰ کہہ رہے ہیں تین ہیں، ہم کہہ رہے ہیں ایک ہے۔ وہ تثلیث کے قائل ہیں اور ہم تو حید کے۔ کون سی بات صحیح ہے؟ قرآن کی، حدیث کی، عقل کی، فطرت کی ہر دلیل

کہتی ہے کہ توحید والی بات صحیح ہے۔ اس لئے ہم کہیں گے کہ مسلمانوں کا توحید کا، اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ حق ہے۔ اور عیسائی اور نصاریٰ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اللہ، ابن اور روح القدس یہ تین ملا کر تثلیث کے جو قائل ہیں، باطل مذہب ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اس کے باطل ہونے کے دلیل یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل حق ہونے کی ہے ہی نہیں۔ اس لئے یہ عقیدہ، عقیدہ باطل ہے۔ اور جو باطل عقیدہ ہے اسے ہم قبول نہیں کریں گے۔ قبول کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ یہ ایک مثال دی۔ دوسری مثال انہوں نے دی کہ یہود و نصاریٰ انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں، اور اپنی کتابوں (جیسے تلمود جسے وہ توریت کی شرح کہتے ہیں) کتابوں میں لکھ مارا کہ انہوں نے شراب پیا، اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے بتوں کی پرستش کی، اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے **نعوذ باللہ نعوذ باللہ** نقل بھی نہیں کرنا چاہئے لیکن تلمود میں یہ بات موجود ہے، اس لئے یہ ذکر کر رہا ہوں، اُن میں کچھ لوگوں نے کہا کہ بعض انبیاء نے اپنی بیٹی کے ساتھ **نعوذ باللہ** زنا کیا، جسمانی تعلق قائم کیا۔ انبیاء کے بارے میں جو ایک شریف آدمی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ ان کا عقیدہ ہے تو کیا یہ عقیدہ صحیح ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں؟ مسلمانوں کا مدلل عقیدہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو فواحش سے، منکرات سے، ہلاک کرنے والے گناہوں سے، بڑے بڑے گناہوں سے محفوظ رکھا۔ ہاں بشری تقاضے سے اجتہادی سطح کی کچھ غلطیاں ہوئیں جیسے حضرت یونس علیہ السلام کی لغزش۔ وہ اس باب میں نہیں آتی۔ اس کی فوراً اصلاح ہو گئی۔ مجموعی اعتبار سے وہ معصوم عن الخطا ہیں۔ (کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیات بے داغ ہوتی ہیں۔) غرض صحیح عقیدہ یہ ہے کہ انبیائے کرام معصوم ہیں۔ یہ شریعتوں کا عام اصول بھی ہے۔ اور جو یہود و نصاریٰ نے الزام تراشیاں کی ہیں اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف

ایسے منکرات اور گناہوں کی نسبت کی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے جو قابل قبول ہو۔ اس لئے ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔ یہ پہلا مقدمہ بتایا کہ دین کی ہر بات اور خاص طور پر عقیدہ ہم وحی الہی سے لیتے ہیں اور وحی یعنی قرآن و حدیث سے جو بھی خبر اور امر ہم تک پہنچتا ہے اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۲) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کی یہ صفت قرآن کے کئی مقام پر بیان کی ہے: **عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اللہ عالم الغیب والشہادہ (چھپے اور کھلے کو جاننے والا) ہے۔ **غیب کس کو کہتے ہیں؟** جو نظر نہ آئے، پوشیدہ اور چھپا ہوا ہو۔ شہادہ جو حاضر اور ظاہر ہو۔ یہاں مصنف نے بڑی پیاری تفصیل بیان کی ہے لیکن میں اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کر رہا ہوں۔ سانس میں ہم پڑھتے ہیں کہ ہمارے حسی اعضاء پانچ ہیں۔ آنکھ ہے، آنکھ سے ہم کوئی چیز دیکھ کر محسوس کرتے ہیں کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کان ہے، کان سے سن کر ہم کو لگ رہا ہے کہ باہر سے کوئی گاڑی گزر رہی ہے۔ اس کی آواز آرہی ہے۔ پیچھے کی آواز آرہی ہے، کولر کی آواز آرہی ہے۔ چٹری، جلد سے چھو کر لمس کے ذریعہ کسی چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اندھیرا ہو گیا، یہ میں نے چھوا کہ ہاں یہ گلاس ہے۔ چھونے کے بعد پتہ چل گیا کہ ہاں فلاں چیز ہے۔ اس سے محسوس ہوتا ہے۔ ذوق، تذوق چکھنا۔ کوئی چیز زبان پر رکھی تو پتہ چلا کہ یہ کیلا نہیں آم ہے۔ ذائقہ یعنی چکھنے سے پتہ چلا۔ اسی طرح سونگھنا ہے، سونگھنے سے خوشبو یا بدبو کے ذریعے چیزیں محسوس ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے پانچ حسی اعضاء ہیں۔ ان کے ذریعہ سے انسان کسی چیز کو جانتا ہے، پہچانتا ہے، آواز کو سن کر، چیزوں کو دیکھ کر، چھو کر، لذت کو چکھ کر اور لبو کو سونگھ کر۔ انہی طریقوں سے چیزوں کا احساس اور ادراک کرتا ہے۔ جو ان چیزوں سے ہٹ کر ہے جن کا احساس ہم دیکھ کر، سونگھ کر نہیں کر سکتے وہ غیب ہے۔ اور جن چیزوں کو ہم اس طرح یعنی حسی اعضاء سے محسوس کرتے ہیں، وہ سب حاضر

ہے، شہادہ ہے۔ کبھی کبھی عقل کے ذریعہ سے کچھ چیزیں پتہ چل جاتی ہیں جیسے میں نے ابھی مثال دی کہ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، یہاں سے کوئی گاڑی گزری یا دھمک محسوس ہوئی تو آواز سن کر کہہ دیتے ہیں کہ ایک گاڑی گزری ہے، کار گزری ہے، موٹر سائیکل گئی۔ (آواز سنی اور عقل نے بتایا کہ یہ فلاں چیز کی آواز ہے۔ یہ بات تمام محسوسات کے بارے میں کہی جاسکتی ہے) تو یہ ہمارے احساسات ہیں جن کے ذریعہ سے ہم مخلوقات کی مختلف چیزوں کا احساس کرتے ہیں، معلوم کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات، اللہ تعالیٰ کی صفات، غیبیات اور عقیدہ و ایمان کی چیزوں کو ہم ان حسی اعضاء کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے۔ یہ غیب ہیں۔ غیب کی چیزوں کو ہم ان اعضاء کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے۔ لہذا اس کے لئے ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ **کس ذریعہ سے اور کیسے پتہ چلے گا کہ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ جنت و جہنم کیسی ہیں؟ فرشتوں کے بارے میں، انبیاء کے بارے میں اور اس طرح کی دیگر غیبیات کے بارے میں ہمیں کیسے پتہ چلے گا؟**

جواب ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ سے، جو پہلا مقدمہ تھا۔ ہم اپنے طور سے دیکھ کر، سن کر، سونگھ اور چھو کر، لیبارٹری میں تجربہ کر کے غیب سے متعلق چیزوں کو معلوم نہیں کر سکتے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ”شہادہ وہ ہے جسے تم مخلوقات کی شکل میں دیکھتے ہو اور غیب وہ ہے جسے تم نہیں دیکھتے، اس لئے کہ وہ غائب ہے۔“ غیب بھی کچھ نسبی قسم کا ہوتا ہے۔ ابھی آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں یہاں سے دو گھر چھوڑ کے جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں انہیں ہم اور وہ ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس دیوار کے پیچھے آپ نہیں دیکھ رہے ہیں، دیوار کے پیچھے کی جو چیزیں ہیں وہ آپ کے لئے غیب ہے۔ دو گھر کو چھوڑ کر رہنے والوں کے لئے ہم غیب ہیں، لیکن آپ مجھے دیکھ رہے ہیں، میں آپ کے لئے غیب نہیں ہوں لیکن ان کے لئے غیب ہوں۔ تو کچھ

چیزیں نسبی اعتبار سے غیب ہوتی ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے غیب نہیں ہوتیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کو آپ نے، ہم نے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا۔ تو ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کی ذات غیب ہے۔ ہم نے نہیں دیکھا لیکن قرآن وحدیث کی دلیلوں کی بنیاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ غیب مان رہے ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، مختلف معاملات میں آپ کے ساتھ ساتھ رہے، حتیٰ اعتبار سے آپ کو جانا، آپ کی آواز سنی، آپ کی باتیں سنیں، درس اور خطاب سنا تو جس طرح ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات غیب ہوئی، کیا اُن کے لئے ہوئی؟ نہیں۔ اُن کے لئے غیب نہیں تھی۔ اسی طرح معجزات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا اور بعض نہیں دیکھا۔ جنہوں نے نہیں دیکھا اُن کے لئے غیب ہے جیسے بعد والوں کے لئے غیب ہے، ان کے بعد والوں میں ہم اور آپ بھی شامل ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ابو جہل اور اس کے رفقاء نے خبر دی کہ کیا یہ بھی مانو گے کہ تمہارے ساتھی ایک رات میں بیت المقدس گئے اور وہاں سے آسمان پر گئے، اللہ سے بات کی اور پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے؟ کیا تم بھی مانتے ہو؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ ﷺ نے کہا ہے تو میں مانتا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے دیکھا نہیں تھا، جانا نہیں تھا، پھر بھی ایمان لائے۔ یہ غیب پر ایمان لانا ہوا۔ ایسے ہی پچھلے انبیاء کی باتیں ہیں۔ غیب کی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے تو غیب ہیں، جبکہ کچھ لوگوں کے لئے وہ غیب نہیں تھیں۔ مسلمانوں کے بارے میں قرآن مجید نے کہا: ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ (سورہ بقرہ: 2) ”وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔“ یہ اسی سے تعلق رکھنے والی ہمارے ایمان کی اکثر چیزیں ہیں۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو کچھ لوگوں کے لئے غیب نہیں ہیں جیسا کہ میں نے ابھی مثال دی کہ انہوں نے دیکھ لیا تو ان کے لئے غیب نہیں رہا۔ اب جو

غیبیات ہیں ان کا پورا پورا جاننے والا حقیقت میں کون ہے؟ اللہ کی ذات ہے۔ عالم الغیب والشہادۃ اللہ ہی کی ذات ہے۔ صرف وہی چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ یہ ہوا ہم کو نظر نہیں آرہی ہے، ہوا میں موجود ذرات نظر نہیں آرہے ہیں، یہ ہمارے لئے غیب ہیں۔

**کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، جان رہا ہے تو اللہ غیب کو کیسے جاننے والا ہے؟** (اس کے لیے تو غیب، غیب ہی نہیں ہے، پھر عالم الغیب کیسے؟) جواب ہے کہ یہ جو غیب ہے ہمارے اپنے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ یعنی غیب کو بندوں کے لحاظ سے غیب کہا گیا ہے۔ بہت سی چیزیں ہمارے لئے غیب ہیں لیکن اللہ کے لئے غیب اور شہادہ سب ایک ہیں۔ ساری چیزوں سے وہ واقف ہے۔ جب صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی واقف ہے تو یہیں سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ جو چیزیں ہم دیکھ نہیں سکتے، سونگھ نہیں سکتے، چھو نہیں سکتے، کچھ نہیں سکتے، محسوس نہیں کر سکتے، سُن نہیں سکتے، حتیٰ اعضاء سے جان نہیں سکتے، اپنی عقل سے جن کا ادراک و شعور نہیں کر سکتے، ان کو جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس صرف اور صرف وحی الہی ہے۔ (اس لئے کہ غیب کا علم تو صرف اسی کے پاس ہے) اسی لئے عقیدے کا اگلا سوال یا بنیادی سوال یہ بنا کہ: ”ہم اپنا عقیدہ کہاں سے لیں گے؟“ اس کے جواب میں مصنف کی بیان کردہ انتہائی اہم اور پیاری بات کو بہت ہی اختصار کے ساتھ بتاؤں کہ عقیدے کو حاصل کرنے کا راستہ صرف صرف قرآن و حدیث ہے۔

نوجوان، مائیں اور بہنیں سبھی یہ بات دھیان میں رکھیں، دل و دماغ میں بسالیں بظاہر یہ آسان اور معمولی سی بات لگتی ہے لیکن جب آپ گمراہ فرقوں کی گمراہیوں کو دیکھیں گے تو آپ کو اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگے گا اور معلوم ہوگا کہ یہ معمولی اور سادی بات نہیں ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو عقیدے کی باتوں کو بلا کسی دلیل کے، لوگوں کی دیکھا دیکھی، اپنی ذہنی اُتچ اور خود ساختہ

خیال و دماغ سے ماننے لگتے ہیں کہ یہ آستھائی بات ہے۔ میں نے فلاں کو بھگوان مان لیا تو وہی بھگوان ہو گیا۔ ایسے خود ساختہ عقیدت و عقیدے کے متوالے ہمارے ارد گرد بہت سارے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ہیں کہ فلاں نے فلاں کو مان لیا (کہ فلاں ہمارے پیر و مرشد ہیں، فلاں مشکل کشا، فلاں غریب نواز، فلاں غوث، فلاں ہمارے امام و پیشوا ہیں وغیرہ)۔ ٹھیک ہے اس کی مرضی ہے، مان لیا تو مان لیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہر شخص اپنی مرضی سے چلے گا؟ آپ نے کسی کو مان لیا تو وہ معبود ہو گیا؟ لنگا کو ماں مان لیا، تو کیا وہ ماں ہو گئی؟ آپ کے گناہوں کو دھونے والی بن گئی؟ آپ کے ماننے سے اس کے اندر صلاحیت آگئی؟ کیا آپ میری بات سمجھ رہے ہیں؟ یاد رکھئے کہ آپ کا ذہن و دماغ یا کسی بھی انسان کا ذہن و دماغ ہو کسی بھی سطح کا ہو۔ ہوا پہ اڑے، پانی پہ چلے، اس کے ذہن و دماغ اور احساسات و فکر اور اجتہاد سے عقیدہ کی کوئی بات ثابت نہیں ہوگی۔ یہیں یہ بات اپنے ذہن و دماغ میں بٹھالیں ہمارے یہاں ہندوستان میں اہل تصوف کی بڑی کثرت ہے، بہت سارے لوگ بڑے بڑے بزرگ، بابا اور پیر نیز فلاں اور فلاں علماء کو مانتے ہیں، جب ان کو مانتے ہیں تو ان کی عزت اور عقیدت کا تقاضہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو بات کہی اسے من و عن تسلیم کر لیا جائے۔ اور آنکھ بند کر کے بلا تردد اُن پر ایمان لے آیا جائے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ رویہ اور مزاج بہت بڑا راستہ ہے جس کی وجہ سے لوگ گمراہی کا شکار ہیں۔ جب ہم اصول کی بات کر رہے ہیں تو یہ اٹل حقیقت اور مسلمہ اصول ہے کہ عقیدے کو جاننے کا معیار صرف قرآن و حدیث ہے۔ اب کوئی پیر صاحب بولیں گے تو صرف ان کے بولنے سے ہم نہیں مانیں گے۔ پیر صاحب کی بات اس وقت مانیں گے جب وہ بتائیں گے کہ یہ قرآن میں ہے، حدیث رسول ﷺ میں ہے۔ پیر صاحب کوئی عقیدہ (جیسے وحدۃ الوجود، حلول اور غیبی امور) بتائیں، وہ کوئی مخصوص عبادت (ذکر واذکار کے مخصوص کلمات یا کوئی خاص طریقہ یا تعداد

بتائیں، کوئی مراقبہ وغیرہ بتائیں، کوئی شرک بتائیں تو ان کی ایسی کوئی بھی بات قرآن و حدیث کی دلیل کے بغیر قبول نہیں کی جائے گی۔

**ان سے ہم سوال کریں گے: یہ شرک ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ میں بول دوں**

**شرک تو وہ شرک ہو جائے گا؟** اصول کی یہ بات یاد رکھئے! اگر میں کہتا ہوں کہ زنا حرام ہے، میں کہوں کہ سود حرام ہے، میں کہوں نماز فرض ہے، تو کیا میرا یہ کہنا شریعت ہے؟ میں آپ لوگوں سے سوال کر رہا ہوں۔ نہیں، شریعت نہیں ہے۔ اچھا! شریعت کیوں نہیں ہے؟ یہ نماز پڑھنا شریعت نہیں ہے؟ شریعت میں نماز فرض نہیں ہے؟ صحیح عقیدے والا ہی یہ جواب دے سکتا ہے۔ یہ چھوٹی سی بات عقیدے کا حصہ ہے۔ اگر میں کہتا ہوں کہ نماز فرض ہے، زنا حرام ہے تو یہ میری بات ہے، میری بات شریعت نہیں ہوتی۔ میں ابورضوان، بہت چھوٹا آدمی ہوں، میری جگہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو رکھ لیجئے۔ فلاں امام، فلاں پیر صاحب، فلاں خواجہ، فلاں وہ، اس کا نام القاب کی پانچ سطروں کے بعد کیوں نہ آتا ہو، کتنا بھی بڑا عالم ہو، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے لیجئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لے لیجئے، صحابہ کرام میں سے کسی کا بھی نام لیجئے، اگر وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، تو کیا یہ شریعت ہے؟ نہیں۔ شریعت کیا ہے؟ **ما قال اللہ** **وقال الرسول** جو اللہ نے قرآن میں کہا، جو رسول نے کہا، حدیث میں ثابت ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ زنا حرام ہے، تو قرآن میں بھی ہے کہ زنا حرام ہے: ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (سورہ بنی اسرائیل: 32) ترجمہ: ”زنا کے قریب نہ بھٹکو۔ وہ بہت برا فعل (کھلی بے حیائی) ہے اور بڑا ہی برا راستہ ہے۔“ اب میری بات قرآن کے موافق ہے اس لئے میری بات صحیح ہے۔ علماء کی کتابوں میں، فقہ کی کتابوں میں جو علماء نے لکھا ہے وہ شریعت نہیں ہے۔ **اُردن شوری** کو کسی نے یہی بات سمجھانے کی کوشش کی تو ہمارے علماء ناراض ہو گئے کہ فقہ



کی کتابوں میں جو فقہاء نے لکھا ہے وہ شریعت نہیں ہے؟ وہ شریعت کی تشریحات ہیں جو صحیح بھی ہو سکتی ہیں اور غلط بھی ہو سکتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ، امام بخاری، امام مسلم، محدثین کرام رحمہم اللہ اگر یہ کوئی بات کہہ رہے ہیں شریعت کے بارے میں، اگر ان کی بات شریعت کی دلیل کے موافق ہو تو سر آنکھوں پر اس لئے کہ وہ شریعت کے موافق ہے۔ اور اگر وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے، شریعت کے مخالف ہے، تو مخالف کو چھوڑ دینا اور شریعت کو لینا ضروری ہے۔ اب اگر امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث پیش کی اور آپ اس کو مان رہے ہیں تو امام بخاری کی تقلید نہیں کر رہے ہیں، ان کی دلیل مان رہے ہیں۔ ان کی دی ہوئی خبر قبول کر رہے ہیں۔ اصولی بات دماغ میں رکھئے! یہ تقلید نہیں، اتباع ہے۔ اللہ نے قرآن و حدیث کو ماننے کا حکم دیا، قرآن و حدیث کہاں سے ملیں گے؟ روایات سے ملیں گے، خبر سے ملیں گے۔ صحیح خبر سے جب ہم کو پتہ چلا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ کہا، رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تو اب ہمیں ماننا ہے۔ اور اصولی بات یہ ہوئی کہ جو قرآن اور جو حدیث میں ہے وہی دین ہے۔ اور اس کے آگے صاحب کتاب نے لکھا کہ اس کے علاوہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہے وہ اس کی سب سے بہترین تشریح ہے۔ شریعت نہیں ہے۔ اگر کسی صحابی کی بات بھی رسول اللہ ﷺ کی بات کے خلاف پڑ جائے تو تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ صحابی کی بات کو چھوڑ دیا جائے گا اور نبی کریم ﷺ کی بات کو لیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی بات کے سامنے کسی کی بات حجت نہیں ہے، یہاں تک کہ اصولی طور پر یہ بھی اختلاف کا مسئلہ نہیں ہے کہ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی بات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کسی نبی کے قول کی وجہ سے چھوڑ دیں تو گمراہ ہو جائیں گے، نیز کسی ایسے پیر صاحب کے قول کی وجہ سے جو ہوا میں اڑے، پانی پہ چلے، کرامت کرامت کھیلے (یہ میں مذاق سے نہیں کہتا ہوں)۔

ہمارے لوگ ان باتوں کا حوالہ دے کر کہ فلاں بزرگ کا کہنا ہے وہ اتنے پہنچے ہوئے ہیں، لہذا مان لو۔) وہ کتنے بھی درجے والا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اللہ کے رسول کی بات چھوڑ کر اس کی بات لی جائے۔ باقی سارے لوگوں کی بات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی بات لی جائے گی۔ عقیدے کے بارے میں تو یہ انتہائی ضروری بات ہے۔

غرض عقیدے کے بارے میں تمام یا اکثر باتیں غیبیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور عالم الغیب اور تمام غیبیات کا جاننے والا اللہ ہے۔ لہذا غیبیات کے بارے میں صحیح صحیح خبریں اللہ ہی بتائے گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے غیب کو وحی کے ذریعہ سے اپنے انبیاء کو بتایا۔ ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (سورہ نمل: 65) ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ آسمان و زمین کا غیب اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔“ رسول بھی نہیں جانتے، قرآن کہہ رہا ہے۔ کچھ لوگ بلاوجہ اس کو اختلاف کا مسئلہ بنائے ہوئے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں عالم الغیب ہیں تو قرآن کی بہت ساری آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ (یہ کیسا عجیب شیطانی فریب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے نام پر خود ان کی مخالفت اور اللہ اور رسول ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی جاتی ہیں، عالم الغیب صرف اللہ ہے، اور ہم یہ کہیں تو رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔ **نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ مَعَارِضَةِ اللّٰهِ** **ورسولہ**) تو اللہ تبارک و تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ غیب کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سارا علم اسی کے پاس ہے۔ اب ان غیبیات میں سے جو چیزیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہیں اپنی کتاب اور اپنی وحی کے ذریعہ سے رسولوں تک پہنچائی۔ جتنا اللہ نے بتایا، رسولوں کو اتنا معلوم ہوا۔ اور رسول کو شریعت کی شکل میں جو غیب اور عقیدے کی باتیں ایمان بالغیب سے متعلق معلوم ہوئیں، انہوں نے امت کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا، کسی چیز کو چھپایا نہیں۔ ﴿وَمَا هُوَ عَلَىٰ

الْغَيْبِ بِضَنَيْنٍ﴾ (سورہ تکویر: 24) ترجمہ: ”اور وہ، غیب کے علم کو، لوگوں تک پہنچانے کے معاملے میں بخیل نہیں ہے۔“ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ غیب پر بخیل نہیں ہیں، چھپانے والے نہیں ہیں۔ ساری چیزیں بتادیں۔

عقیدے کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے: **”لَا يَتَجَاوَزُ بِالْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ“** (کہ آدمی قرآن و حدیث سے آگے نہیں بڑھے گا۔) قرآن و حدیث میں جتنا بتایا گیا ہے، ہم بس اتنا ہی مانیں گے، اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ مثال کے طور پر قرآن و سنت کہتے ہیں اللہ عرش پر مستوی ہے۔ ہم اس پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، مستوی کا جو معنی ہے اسی کو مانتے ہیں، اہل بدعت کی طرح اس کی تاویل یا تحریف یا نفی نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی مثال کو بیان کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کچھ لوگ بولتے ہیں کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے، قرآن و حدیث میں اللہ کے لئے بیٹھنے کا لفظ نہیں آیا ہے اس لئے ہم نہیں بولیں گے۔ اس سے زیادہ نہیں بولیں گے جو قرآن و حدیث میں بیان کر دیا گیا۔ قرآن و حدیث میں آیا ہوتا تو بولتے۔ قرآن و حدیث میں نہیں آیا ہے تو نہیں بولیں گے۔ (استَوٰی کا معنی اہل عرب کے یہاں عَلَا، صَعَدَ، قَامَ اور اِسْتَقَرَّ یعنی بلند ہونا، اوپر چڑھنا، قائم ہونا، مستقر ہونا) عقیدے کے بارے میں اتنا ہی بولیں گے جتنا قرآن و حدیث نے کہا ہے۔ رہے اقوال صحابہ تو جیسا کہ صاحب کتاب مصنف نے بیان فرمایا کہ یہ وحی کے نصوص، قرآن و حدیث کی تشریح کے مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ اصلاً اور مستقلاً مصدر نہیں ہیں کہ صحابہ کرام کی جو باتیں ہیں ان کو مان لیں۔ مستقل مصدر نہیں ہیں (آسان لفظوں میں یوں سمجھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بذات خود حجت نہیں البتہ حجت یعنی قرآن و حدیث کو جاننے اور سمجھنے کا ذریعہ اور مددگار ہیں۔ یاد رہے اصولاً اس بات میں اہل سنت کے بیچ کوئی اختلاف نہیں)۔ جیسا کہ انہوں نے مثال دی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن

میں ارشاد فرمایا: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (سورہ بقرہ: 255) ترجمہ: ”کہ اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے۔“ یہاں کرسی کا مطلب کیا ہے؟ کون سی کرسی؟ کرسی کا مطلب بعض لوگوں نے کہا کہ حکومت اور اقتدار ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ عرش ہی کرسی بھی ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ علم ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے لیکن وہ مروج روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو صحیح اور محفوظ روایت ہے، اس کے مطابق کرسی، عرش کے علاوہ ہے، اس کے سامنے ایک الگ وجود ہے یعنی صحابی رسول اس کی تشریح کرتے ہیں کہ کرسی سے مراد: ”بِاَنَّهُ مَوْضِعُ قَدْحِي الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی“ (کہ کرسی اللہ تبارک و تعالیٰ کے دونوں قدموں کے رکھنے کی جگہ ہے۔) ایک بادشاہ تخت پر جب بیٹھتا ہے، اس کے تخت کے سامنے ایک چیز ہوتی ہے جس پر وہ پیر رکھتا ہے۔ عرش کے سامنے کرسی ایسے ہی ہے۔ مطلب عرش اور کرسی الگ الگ ہیں۔ تو صحابی رسول نے کرسی کی تشریح کی یعنی عقیدے اور غیب سے متعلق ایک بات کی تشریح کی لہذا ہم اس کو مانتے ہیں۔ (اہل سنت کے یہاں بطور اصول یہ بات مانی جاتی ہے کہ اگر کسی صحابی سے کوئی ایسی بات ثابت ہو جس میں شرعاً اپنی رائے سے کوئی بات نہیں کی جاتی جیسے غیب اور عقیدے کی بات یا عبادت کی بات تو صحابی رسول ﷺ کی اس بات کو حکماً مرفوع مانا جاتا ہے یعنی یہ کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سن کر یا جان کر ہی یہ بات کہی ہے اپنی طرف سے نہیں۔) اس باب کو ختم کرتے ہوئے مصنف نے ایک بات یہ کہی کہ اہل علم یہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری نے جب اپنی صحیح بخاری کو اکٹھا کیا تو اس کے باب اور عناوین کی ترتیب میں سب سے پہلے کون سا باب رکھا؟ کون سی کتاب رکھی؟ اوّلًا ”کِتَابُ الْوَحْيِ“ اس کے بعد ”کِتَابُ الْاِيْمَانِ“ اس کے بعد ”کِتَابُ الْعِلْمِ“ اہل علم کے مطابق، امام بخاری اس ترتیب کے ذریعے یہ حقیقت بتانا اور جتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں دین کے نام

پر جو بھی ملا ہے وہ وحی کے ذریعہ ملا ہے۔ وحی کے بغیر کوئی چیز ہم دین کی نہیں لے سکتے۔ ہمارا دین وہی دین ہے جو وحی کے راستے سے آیا ہے۔ عقل سے، دماغ سے، کہی کی رائے، اجتہاد، کشف و خواب اور فلاں رسم و رواج سے نہیں، وحی سے آیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے تو ”کِتَابُ الْوَحْيِ“ رکھا اس کے بعد ”کِتَابُ الْإِيمَانِ“ اور پھر ”کِتَابُ الْعِلْمِ“ رکھا، جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ وحی سے دین حاصل ہوا اور دین میں سب سے اہم اور بنیادی چیز ایمان و عقیدہ ہے، لہذا اس کا سیکھنا، جاننا ضروری ہے۔ امام بخاری اس ترتیب سے یہی بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان اور علم سب سے اہم ہیں اور یہ ایمان اور علم عقیدے اور غیب سے متعلق ساری باتیں صرف وحی سے حاصل ہوں گی۔ قرآن و حدیث سے ہٹ کر ان کے حصول اور جاننے کا ہمارے پاس کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے۔

(۳) تیسرا مقدمہ ہے: ”اہل سنت والجماعت کا عقیدے کے مسائل کو ثابت اور بیان

کرنے کے سلسلے میں اصول“ جس کا ماننا اور بیان کرنا ضروری ہے۔ مصنف نے بتایا کہ عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے کچھ بنیادیں اور قاعدے ہیں، ان میں سے پہلا قاعدہ یہ ہے کہ: ”تَقْدِيمُ النَّقْلِ عَلَى الْعَقْلِ“ (نقل کو عقل پر مقدم کرنا۔) نقل کسے کہتے ہیں؟ جو منقول ہو یعنی قرآن و حدیث، یہ ہمارے پاس نقل ہو کر آئے ہیں۔ ہم نے اپنے دماغ سے یا کسی اور نے اپنے دماغ سے نہیں گڑھیں۔ یہ نقل کردہ ہیں۔ نقلی دلیلیں کہنے کا مطلب ہے قرآن و حدیث کی روایت کی ہوئی دلیلیں۔ اور عقل، جو انسان غور و فکر کر کے، اجتہاد سے، قیاس سے، غورو فکر کر کے اور رائے سے بنائے اور معلوم کرے۔ یہ عقلی دلیلیں ہیں۔ اگر عقل اور نقل میں اختلاف نظر آئے تو کیا کرنا ہوگا؟ یہ ایک اصول بتایا کہ پہلا قاعدہ ہمارا یہ ہے کہ: ”نقل کو عقل پر مقدم مانا جائے۔“ اور نقل سے مراد سنت صحیحہ ہیں۔ اور اس چیز کو نقل اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح طریقے

سے ہم تک نقل کی گئی ہے۔ ہم تک متصل اور منقول ہے۔ اس کو صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا، صحابہ کرام سے ان کے شاگرد تابعین نے روایت کیا، پھر ان کے شاگردوں نے اور یہ سلسلہ وار نقل ہوتے ہوئے محدثین تک پہنچی، انہوں نے محفوظ کیا، یہاں تک کہ ہم تک پہنچ گئی۔ اسی طرح سے نقلی دلیلوں کو سمعی دلیلیں بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں اور علماء سے سنتے ہیں۔ بچے یہ بات دماغ میں رکھیں کہ نقلی دلیلیں اور سمعی دلیلیں ایک ہی ہیں، سماع یعنی سنی ہوئی یا سننے والی۔ ہم قرآن وحدیث کی نقل کی ہوئی دلیلوں کو کانوں سے سنتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے ہم کو قرآن ہو یا حدیث ہو، ہم تک سماع در سماع اور نقل در نقل پہنچے ہیں۔ صحابہ کرام نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، ان کے شاگردوں نے صحابہ کرام سے سنا تو یہ ایک دوسرے سے سنتے سناتے ہوئے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔ اس لئے اس کو نقلی سمعی دلیلیں کہتے ہیں۔ اب یہ سوال کہ: ”**عقلی دلیلوں پر نقلی دلیلوں کو کیوں ترجیح ملے گی؟**“ یہاں میں اشارہ کر دوں، جبکہ مصنف نے اس بحث میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے کہ عقیدے کے باب میں جو بڑی گمراہی آئی۔ لوگ اللہ کے اسماء وصفات کے بارے میں جو انکار وتخریف اور تاویل وغیرہ کی گمراہیوں کا شکار ہوئے۔ قرآن کے بارے میں ظاہری اور صحیح معنی سے ہٹ کر باطنی اور غلط معنی کے تصور میں گھس گئے۔ تصوف کی گمراہیوں اور انحرافات میں پڑ گئے۔ قرآن سے جو چیز ثابت ہو رہی ہے اس کے خلاف چلے گئے۔ یہ سب کیوں ہوا؟ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اسلامی تاریخ میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا اور اس سے کئی شاخیں پیدا ہوئیں جس نے عقل کو دین سمجھنے کی بنیاد بنایا۔ لمبی تفصیل نہ بیان کرتے ہوئے صرف اشارہ کروں۔ عباسی خلیفہ ہارون رشید اور ان کے پیٹے مامون رشید کے زمانے میں علم کا دور دورہ تھا۔ ان لوگوں نے دنیا کے مختلف علاقوں سے کتابیں منگوائیں اور تراجم کروائے۔ علمی اعتبار سے بڑے کام ہوئے۔ یونانی فلاسفہ جیسے سقراط، بقراط،

ارسطو، فیثاغورث، اقلیدس وغیرہ کی فلسفہ و منطق پر مشتمل وہ کتابیں جنہیں خود اہل یونان نے منحوس سمجھ کر ایک جگہ مقفل (بند) کر رکھا تھا اور ہر نیا آنے والا بادشاہ اس پر نیا تال لگواتا تھا۔ مامون نے اپنے آدمی بھیجے اور اہل یونان سے کہا کہ آپ کے یہاں بہت ساری فلسفہ، منطق اور دوسرے علوم کی کتابیں ہیں اور تحقیقات ہیں، آپ وہ کتابیں ہم کو بھیج دیں ہم ان کو ترجمہ کروالیں گے۔ وہاں کے علماء اور بادشاہ نے مشورہ کیا، وہ لوگ ان کتابوں کو منحوس سمجھنے لگے تھے کہ ان کتابوں سے گمراہی پھیلتی ہے، اس لئے ان کو بند کر کے رکھا تھا، تو ایسی صورت میں کیا کریں؟ بھیجیں یا نہ بھیجیں؟ ایک عالم نے کہا کہ دیکھو مسلمان ہمارے دشمن ہیں اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، بہتر ہو گا کہ یہ کتابیں ان کو دے دو، جب یہ کتابیں وہاں جائیں گی تو ان کے اندر گمراہی پیدا ہوگی۔ وہ اپنے دین اور مذہب سے دور ہو جائیں گے اور ہمارے لئے آسانی ہو جائے گی۔ وہ کمزور پڑ جائیں گے۔ لوگوں نے اس کی تائید کی۔ کتابیں دے دیں۔ ترجمہ شروع ہوا۔ فلسفہ اور منطق کی کتابیں مترجم ہوئیں۔ اس میں مسلمان علماء نے ترقی بھی کی لیکن کچھ لوگ گمراہی کا شکار ہو گئے۔ جب فلسفہ اور منطق کا عقلی دلیلوں کا دور دورہ ہوا تو ان لوگوں نے عقلی بنیادوں پر بہت سارے مقدمات اور اصول بنائے اور ان کی روشنی میں انہوں نے یہ کہا کہ قرآن و حدیث کی باتوں کو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء و صفات کو، غیب سے متعلق چیزوں کو بھی ہم عقل کی بنیاد پر سمجھیں گے۔ جو ہماری عقل میں آئے گا جس کو ہم عقلی طور پر سمجھا پائیں گے اس کو مانیں گے، جس کو عقل کے معیار پر سمجھ اور سمجھا نہیں پائیں گے اس کا رد کر دیں گے۔ یہی آج کل بہت سارے منکرین حدیث کرتے ہیں۔ بہت سارے جو ماڈرن اسلام کو ماننے والے اخوانیت کے دلدادہ ہیں، جدید معاشرت کو ماننے والے، سائنس کی روشنی میں، جدید لب و لہجے میں دین کی تشریح کرنے والے جب وہ کسی حدیث کی تشریح نہیں کر پاتے تو اس کو رد کر دیتے ہیں۔ ایسی کتنی چیزیں ہیں۔

میں ایک مثال دے رہا ہوں۔ معتزلہ نے کہا کہ اعمال کا وزن نہیں ہو سکتا۔ یہ موبائل ہے، مادی چیز ہے۔ پین ہے، مادی چیز ہے۔ آپ اس کو ترازو میں رکھئے، وزن کر سکتے ہیں۔ لیکن میں نے **سبحان اللہ** کہا، **الحمد للہ** کہا، آپ نے نماز پڑھ لی، اب آپ کی نماز کو کیسے ترازو میں رکھ کر تولّا جائے گا کہ یہ کتنے گرام کی ہے؟ کتنے کلو کی ہے؟ **سبحان اللہ**، **الحمد للہ** کو کیسے وزن کیا جائے گا؟ تو معتزلہ نے کہا کہ یہ بات عقل میں آتی نہیں ہے، اس لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میزان عمل قائم کرے گا۔ اس میں اعمال کو اور صاحب عمل کو تولے گا۔ صاحب عمل تو سمجھ میں آتا ہے لیکن عمل کو کیسے تولّا جائے گا؟ یہ بات عقل میں نہیں آتی ہے۔ اس لئے ان لوگوں نے میزان کا انکار کیا اور تاویل کی۔ یہ عقیدے کا حصہ ہے کہ قیامت کے دن میزان ہوگا۔ ہم مانتے ہیں، ہمارے سلف مانتے تھے، صحابہ کرام اور تابعین مانتے تھے۔ اس لئے کہ یہ قرآن وحدیث میں ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب کے اخیر میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو عقلی بنیادوں پر عقیدے کے بارے میں گمراہی کا شکار ہوئے۔ اس باب کا نام ”کِتَابُ الرَّدِّ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ“ دیا۔ بخاری کے آخری باب اور حدیث میں کیا ہے؟ حضرت امام بخاری نے یہی میزان اور عمل کو ثابت کیا ہے۔ قرآن کی آیت نقل کرنے کے بعد وہ اخیر میں حدیث نقل کرتے ہیں: ”كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ یہ دو کلمے ہیں، رحمن کو محبوب ہیں، زبان پر بہت ہلکے ہیں اور میزان میں بہت بھاری ہیں: **سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ**۔ میزان میں بہت بھاری ہیں، اس سے امام بخاری نے ثابت کیا کہ اعمال کا وزن ہوگا۔ رسول نے کہا ہم مانتے ہیں، ہمارا ایمان ہے۔ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ اس زمانے میں نہ دکھائی دینے والی چیز کا وزن کرنا ایک ناقابل فہم مسئلہ تھا۔ لیکن اگر وہی معتزلہ آج



پیدا ہو جائیں، آج کے زمانے کی کئی ایجادات اور انسانی کارنامے دیکھ کر وہ دنگ رہ جائیں گے، ایسی کئی چیزیں جو پچھلے زمانوں میں عقل میں نہیں آ سکتی تھیں آج وہ عمل میں آچکی ہیں مثلاً موبائل، فیکس اور انٹرنیٹ ہمارے سامنے ہیں، اسی طرح ہوا نظر نہیں آتی، اس سے ہلکی کچھ گیسس ہیں، جن کا انسان وزن کر رہا ہے۔ انسان ایسی کیمرے کی آنکھ بنا چکا ہے، وہ بھی آج سے سالوں پہلے ایجاد کر چکا ہے، ابھی آپ سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، سب چلے جائیں، پانچ منٹ کے بعد اس کیمرے کو سیٹ کر کے اگر تصویر لی جائے گی تو آپ کی بیٹھی ہوئی جو موجودہ حالت ہے، دس منٹ کے اندر وہ کیمرے ان خلیات کو (Cells) کو جو آپ کے وجود کی شکل میں یہاں موجود تھے، ان کو جوڑ کر، آپ کی شکل ڈھال کر تصویر بنا دے گا جیسے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ انسان نے ایسے کیمرے بنائے ہیں۔ رب العلمین کے لئے کیا یہ مشکل ہے؟ جو لوگ اس قسم کے عقلی استحالات اور ناممکنات کو بیان کر کے کچھ حدیثوں کو، معجزات کو، غیب کی چیزوں کو، عذاب قبر کو، فلاں اور فلاں کو، فرشتوں کو رد کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ کی قدرت پر ان کو تعجب ہے۔ وہ اس پر تعجب کر رہے ہیں کہ تم پیدا کیسے ہو گئے؟ کیسے ماں باپ کا ایک قطرہ، ایک بیضہ ملا اور تم وجود پا گئے؟ بڑھتے گئے، گوشت آگیا اور ہڈی آگئی، شکل و صورت بن گئی اور تم پیدا ہو گئے۔ یہ سب کیوں مان رہے ہو؟ جب یہ مان رہے ہو تو اس پروردگار کے لئے کیا چیز مشکل ہے؟ پتہ یہ چلا کہ دین کی بنیاد محض اپنی ناقص عقل پر رکھ کر اگر کوئی جانچ اور فیصلہ کرے گا تو گمراہیوں کا شکار ہوگا۔ عقل کے پاس اتنا شعور نہیں ہے کہ غیب کی چیزوں کو جان سکے۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص، سونے کے ترازو پر جس پر تولہ ماشہ تولتا جاتا ہے، اس پر اگر پہاڑ کا وزن کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن ہے؟ چھوٹا سا ترازو ہوتا تھا۔ اب تو الیکٹرانک ترازو آگیا۔ ہوا بند ہوتا ہے۔ تو غور کیجئے اور بتائیے کہ کیا سونا تولنے کے چھوٹے سے

تراز و پیر پہاڑ کو تو لا جاسکتا ہے؟ یہ تراز و پہاڑ کا وزن بتا سکتا ہے؟ اگر پہاڑ پر اس تراز کو پھینک دو تو گم ہو جائے گا، اس کے سامنے پہاڑ اتنا بڑا ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر غیب کے ثابت شدہ امور کو اپنی عقل اور دماغ کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے سونے کے تراز و میں پہاڑ کو تولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بات سمجھ میں آرہی ہے؟ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ اسلام میں عقل کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ عقل کی اہمیت ہے۔ اسلام سے زیادہ عقلی دین کوئی ہے ہی نہیں۔ قرآن جگہ جگہ کہتا ہے کہ دلیل لاؤ۔ **أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ** کیا وہ غور و فکر نہیں کرتے؟ **أَفَلَا تَعْقِلُونَ** کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ تو عقل و شعور کا سب سے زیادہ خطاب یہاں ہے۔ لیکن ایمان کی کسوٹی یہی ہے کہ عقل کی شعور کی بنیاد پر آپ نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، واحد ہے، قرآن اس کا کلام ہے، محمد ﷺ سچے رسول ہیں، جب آپ نے عقلی بنیاد پر اللہ کو، رسول کو مان لیا کہ یہ جھوٹ نہیں ہو سکتے تو ان کی بتائی ہوئی ہر بات کو مان لینا عقل کا تقاضہ ہے۔ آپ مان لیں کہ اللہ بتا رہا ہے تو صحیح ہے۔ چاہے ہماری عقل میں نہیں آئے۔ دنیا میں ایسی کتنی چیزیں ہیں جو ہماری عقل میں نہیں آتیں، یہ ہوا ہے، ہم اس کو دیکھ رہے ہیں؟ یہ موبائل ہے، اس میں میسج ٹائپ کر کے امریکہ والے کو بھیج دیتے ہو، کیا آپ میں سے ہر شخص کی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ کیسے ہو رہا ہے؟ اس کا پروبجر کیا ہے؟ کچھ لوگوں کو سمجھ رہا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا استعمال کرتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے۔ ہم دنیا میں کئی ایسی چیزیں دیکھ رہے ہیں جو ایک انسان سمجھ رہا ہے، دوسرا نہیں۔ کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کوئی نہیں سمجھتا لیکن ہو رہی ہیں۔ نیند کی حقیقت کیا ہے؟ کوئی نہیں سمجھ رہا ہے لیکن روز سورہے ہیں۔ موت کیسے واقع ہوتی ہے؟ روح کی کیا حقیقت ہے؟ کوئی نہیں جانتا ہے۔ ایسے کتنے حقائق اور معاملات ہیں کہ عقل ان کے وجود کو ماننے پر تو مجبور ہے لیکن ان کی تفصیل سمجھنے اور سمجھانے سے عاجز ہے، غیبیات سے متعلق سچی خبریں ماننا بھی

عقل کے دائرے میں ہے لیکن ان کی حقیقت کا گھیراؤ کر پانا عقل کی حدود سے باہر ہے (اس لئے کہ عقل کا دائرہ محدود ہے اور غیبیات کا دائرہ لامحدود۔ عقل، مشاہدات اور معلومات کی پابند ہے اور غیبیات ان سے پرے ہیں۔) ہاں! عقل محترم ہے۔ اسلام میں اس کا احترام اور اعتبار رکھا گیا ہے۔ اسلام نے اس کو ثابت کیا ہے، (مگر اس کے دائرے اور حد میں) یہاں تک کہ عقیدے کی کئی چیزوں کو بھی عقل کی بنیاد پر ثابت کیا ہے۔ لیکن عقیدے کی چیزوں کو تفصیلات سے سمجھنا عقل کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس لئے کہا کہ یہ عقل کا وظیفہ نہیں ہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ معلوم کرے کہ یہ اللہ کی بات ہے، یہ رسول کی بات ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ ہماری عقل میں ایک بات آرہی ہے جو قرآن و حدیث سے ٹکرا رہی ہے تو علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ: ”دو میں سے ایک بات ہوگی۔ یا تو آپ نقل کو سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں یعنی قرآن و حدیث کا مطلب سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں یا وہ حدیث صحیح نہ ہو، ایسا ممکن ہے۔“ اور اسی کو بہانہ بنا کر لوگ حدیثوں کا انکار کر دیتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ آپ کی عقل اس بات کو جو قرآن و حدیث میں عقیدے کی بیان کی گئی ہے سمجھنے سے قاصر ہے۔ آپ اپنی عقل کو قصور وار ٹھہرائیے، اللہ اور اس کے رسول کو نہیں۔ جب ایک شخص عقل کو حاکم مان کر کہتا ہے کہ یہ حدیث میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے جبکہ وہ حدیث سنداً صحیح ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو رد کر رہا ہوتا ہے، اپنی عقل کو اس سے بڑا مان رہا ہے۔ عقل دلیل نہیں ہے، اس کی بہت ساری وجوہ اور بنیادیں ہیں۔ صحابہ کرام کا مزاج دیکھئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہیں، صحیح بخاری کی روایت ہے، بوسہ دینے جارہے ہیں اور آپ کیا کہہ رہے ہیں: ”إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ“ (میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔) ”لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ“ (تو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔) ”وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْبَلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ“ (اگر

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بوسہ نہ دیتا۔) حضرت عمر کی اس بات سے کیا پتہ چلا؟ میری عقل نہیں کہتی کہ تجھے بوسہ دوں لیکن رسول نے کیا اس لئے کر رہا ہوں۔ صحابہ کرام کا مزاج یہ تھا کہ عقل میں آئے یا نہ آئے رسول نے کیا ہے تو ہمیں بھی کرنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بڑی مشہور ہے: **”لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلَ الْخُفِّ أَوَّلُ بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمَسِّحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفِّيهِ“** (ابوداؤد: 162) (اگر دین کا دار و مدار عقل اور قیاس پر ہوتا تو موزے کے نچلے حصے میں مسح کرنا زیادہ لائق تھا، یعنی عقل سے پوچھا جاتا کہ مسح کہاں کرنا ہے تو کہتی موزے کے نیچے حصے میں۔ لیکن شریعت نے کیا کہا؟ موزے کے اوپری حصے پر مسح کیا جائے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے موزے کے اوپری حصے پر مسح کرتے تھے۔) پتہ یہ چلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ ایسی اور بھی بہت ساری دلیلیں ہیں جو پیش کی جاسکتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے: **﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾** (بنی اسرائیل: 36) ”اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔“ اگر آپ کی عقل میں کوئی چیز قرآن وحدیث کی نہیں آرہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی عقل قاصر ہے۔ آپ کو اس کا علم نہیں ہے۔ علم کی کمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ میں نے ابھی بتایا کہ چیزوں کا وزن نہیں ہو سکتا، معتزلہ کو علم کی کمی کی وجہ سے نہیں سمجھ میں آتا تھا۔ آج کے انسان کو سمجھ میں آرہا ہے۔ بہت ساری چیزیں سو دو سو سال پہلے سائنس و ٹیکنالوجی کی تحقیق و ترقی نہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتی تھیں، آج سمجھ میں آرہی ہیں۔ آج کے انسانوں کو کچھ چیزیں سمجھ میں نہیں آرہی ہیں جو پہلے کے اہل علم و فن، حکیموں اور ماہرین فلکیات کی سمجھ میں آتی تھیں۔ انہوں نے کچھ چیزیں ایسی بنائیں جو آج کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ مصر کے لوگوں نے فرعون کی لاشوں کو محضط میز (Mummys) بنادیا، آج

پتہ ہی نہیں وہ کیا ٹیکنالوجی تھی؟ کیا سالہ تھا؟ کیا نسخے تھے؟ جس سے لاش محفوظ ہو جاتی تھی۔  
 نہیں معلوم۔ تو علم کا معاملہ نسبتی ہے۔ کوئی چیز معلوم ہے، کوئی چیز نہیں معلوم ہے۔ کسی کو معلوم ہے  
 اور کسی کو نہیں۔ جب نہیں معلوم ہوتی ہے تو اس بنیاد پر انسان کہتا ہے کہ یہ چیز سمجھ میں نہیں آرہی  
 ہے۔ آج کتنی چیزیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہا کہ جس کا علم نہیں ہے  
 اس کے پیچھے مت پڑو۔ ﴿لَٰنَ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ  
 مَسْئُورًا﴾ (سورہ بنی اسرائیل: 36) ”یقیناً سننا، دیکھنا اور سمجھنا ان ساری چیزوں کے بارے میں سوال  
 کیا جائے گا۔“ علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ (آج میں  
 نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔) کے تحت دین کامل ہے۔ اب جبکہ دین کامل ہے تو  
 اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کامل بنایا، مکمل بنایا۔ صحابہ کرام نے اس کو نبی اکرم ﷺ سے لیا، اس  
 پر اعتقاد رکھا، اس پر ان کو اطمینان رہا، لہذا جب دین مکمل ہے تو کسی کی سمجھ بوجھ، عقل، کشف، رائے  
 اور خواب کی طرف دین کے سلسلے میں ضرورت نہیں۔ کوئی یہ کہے کہ دین میں اس چیز کا اضافہ کرلو،  
 میری سمجھ میں یہ آتا ہے تو ہم اس کی سمجھ کی بنیاد پر جو چیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے، رسول اللہ ﷺ نے  
 نہیں بتائی اور جس چیز کو صحابہ کرام نے بطور دین اختیار نہیں کیا ہم اس کو دین سمجھ کر مان لیں؟ ہرگز  
 نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے معاملے میں اور خاص طور پر عقیدے کے معاملے میں دنیا  
 کے کسی انسان کی عقل، اجتہاد، رائے اور ذوق کی طرف ہم کو محتاج نہیں بنایا ہے۔ قرآن اور  
 حدیث میں عقیدے کی باتوں کو پورا پورا بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی نقص اور کمی نہیں ہے۔  
 اب اگر کوئی شخص پیر صاحب سے لے کر کسی چیز کو عقیدہ بناتا ہے، بزرگان دین سے اور فلاں اور  
 فلاں کی عقل سے اور کشف سے مانتا ہے تو وہ یہ کہہ رہا ہے کہ قرآن و حدیث کا دین ادھورا تھا، مکمل  
 نہیں تھا۔ صحابہ کرام جس چیز کا عقیدہ رکھتے تھے وہ عقیدہ کامل نہیں تھا، ہم نے کامل کیا۔ کیا ایسا کوئی

ایمان والا شخص مان سکتا ہے؟ جو مقدمہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے، اس کی بنیاد پر یہ بھی نتیجہ نکل رہا ہے کہ ہم کسی کی عقل کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ سارے نصوص صریحہ صحیحہ جو ہیں ان پر ہر بات کو، کوئی بھی عقل کی بات ہو، پیر صاحب کی بات ہو، امام صاحب کی، مفتی صاحب کی بات ہو یا پھر ہمارے ذہن و دماغ کی کوئی بات آتی ہے تو ان باتوں کو نصوص کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ نصوص کے مطابق ہے تو ان کو قبول کیا جائے گا ورنہ انہیں رد کر دیا جائے گا، چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن گمراہ لوگ اپنی عقل سے بنائے ہوئے اصولوں اور ضابطوں کی بنیاد پر قرآن و حدیث کو پھیر دیتے ہیں، اس میں تحریف اور تبدیلی کر دیتے ہیں۔ کبھی اس کے معنی میں زیادتی کر دیتے ہیں، جیسے قرآن و حدیث میں اللہ کے ہاتھ کا ذکر ہے تو کسی نے اس کی نفی کر دی، کسی نے تحریف اور تاویل کی اور کسی نے اپنی طرف سے اس میں انگلی بڑھادی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (سورہ نساء: 59) اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہا کہ ”اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اولو الامر کی۔“ (اولو الامر کی اطاعت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تابع ہے۔) اب اگر کسی معاملے میں تمہارا اختلاف ہو جائے (اختلاف کس بنیاد پر ہوتا ہے؟ اختلاف کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ آپ کو ایک چیز سمجھ میں آرہی ہے، مجھے وہ چیز سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ مجھے جو چیز سمجھ میں آرہی ہے، وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے، تبھی تو اختلاف ہوا، مطلب یہ کہ اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب ہماری عقل کو دخل ہو۔ قرآن و حدیث آجائے تو اختلاف کی اجازت نہیں ہے۔ جو قرآن و حدیث میں ہے وہ مان لینا ہے۔)

اس مقام پر مصنف نے علامہ ابن قیم کا ایک لمبا چوڑا قول نقل کر کے یہی بتانا چاہا کہ جب ہمارے درمیان کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کی اس آیت میں اس کا حل بتاتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ فلاں امام کی رائے مان لینا، فلاں کا قیاس مان لینا، فلاں امام کی تقلید کر لینا، نہ فلاں کے خواب کو ماننا، نہ فلاں کے کشف والہام کو ماننا، نہ فلاں کے دل کے وسوسے اور کھٹک کو ماننا، نہ فلاں استحسان اور عقلی دلیل کو ماننا، نہ اہل طریقت اور اصحابِ حال پیر و مرشد کی فلاں چیز کو ماننا، نہ بادشاہوں اور اربابِ حکومت کی سیاست کو ماننا اور نہ ہی لوگوں کے رسم و رواج کو ماننا۔ ان میں سے کسی چیز کو ماننے کا اللہ نے حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹنا و یعنی قرآن و حدیث کی طرف۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عقلی اختلافات اور ہماری فہم کے جو مختلف زاویے ہو سکتے ہیں ان تمام کو سمیٹنے کے لئے بنیاد ہے شریعت، قرآن و حدیث۔

اس میں کبھی ایک اور اہم باتیں ہیں کہ اگر ایک آدمی قرآن و حدیث کی باتوں کو نہیں مانتا، اس کے احکام کو نہیں سمجھتا تو عقیدے میں گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔ آج بنیادی طور پر اہل حدیث یا سلفی عقیدے کے لوگ یہ بات بار بار دہراتے ہیں۔ آج ہمارے درمیان کتنے ایسے لوگ ہیں جو خود کو مسلمان سمجھتے ہیں، قرآن و حدیث، اللہ اور رسول کے ماننے کے دعویدار بھی ہیں لیکن ان کے یہاں یہ اصول نہ ہونے کی وجہ سے وہ عقل کے پیچھے پڑ کر، پیر صاحب کے کشف کے پیچھے پڑ کر، خوابوں کے پیچھے پڑ کر ایسی ایسی چیزوں اور عقیدوں میں پڑ جاتے ہیں جن کا قرآن و حدیث سے دور و در تک کوئی تعلق نہیں بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے ثابت شدہ عقائد کے سراسر خلاف معاملہ ہوتا ہے۔

علامہ شہرستانی کے ایک قول کو میں واضح کروں کہ سب سے پہلا شبہ اور گمراہی جو مخلوق

کے اندر واقع ہوئی وہ ابلیس کا شبہ تھا۔ (اللہ کی لعنت ہو اس پر) اور ابلیس نے کہاں سے گمراہی میں پڑنے کا راستہ کھولا؟ اس کی بنیاد تھی نص (یعنی قرآن وحدیث کے مقابلے میں) اللہ کے حکم کے سامنے اس نے اپنی رائے اختیار کی۔ رائے کو استعمال کیا۔ اور اپنی ہوئی اور خواہش نفس کے ذریعہ اللہ کے حکم سے معارضہ کیا۔ اللہ کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور اعتکبار میں پڑ گیا، اس فلسفے، قیاس فاسد یا عقلی شبہ کی بنیاد پر کہ میں تو آگ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ اس نے یہ عقل لگائی کہ میں تو آگ سے پیدا ہوا ہوں۔ میری زیادہ فضیلت ہے۔ آدم تو مٹی سے پیدا ہوئے (اور آگ مٹی سے افضل ہے جبکہ اس کا یہ گمان وغیال بھی غلط تھا)۔ تو گمراہی کی بنیاد یہ بنی کہ عقل کو اللہ کے حکم کے سامنے پیش کیا۔ القصہ، اللہ کا دین، اصلاً نقل ہے، عقل نہیں۔ عقل نقل کے تابع ہے۔

(۴) چوتھا قاعدہ جو ہم کو عقیدے کے بارے میں گمراہی سے بچانے والا اور جس کی رعایت نہ کر کے بہت سارے فرقے گمراہی میں پڑ گئے وہ یہ کہ انہوں نے شریعت کی دلیلوں میں تفریق کی۔ اہل سنت والجماعت کا اور صحابہ کا طریقہ یہ ہے کہ شرعی دلیلوں کے درمیان کوئی تفریق نہ کی جائے۔ قرآن اور حدیث کے درمیان، سنت اور سنت کے درمیان۔ ہمارے اکثر مسلم گروہوں اور فرقوں کے یہاں اصول ہیں جو ان کے دینی انحراف اور عقیدے اور منہج میں بگاڑ کی ایک اہم وجہ ہیں۔ مثال کے طور پر عقلیت پسند بلکہ عقل پرست بدعتی فرقہ معتزلہ (جن کے یہاں اصول ہے کہ عقل نقل پر مقدم ہے) نے بہت سے ایسے اصول بنائے ہیں جن کے اثرات ہمارے یہاں آپ کو حنفی فقہ کی کتابوں میں ملیں گے۔ جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حدیث ظنی ہوتی ہیں۔ خبر آحاد سے ظن کا فائدہ ہوتا ہے۔ ان کے ذریعہ قرآن پر زیادتی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے یہ ایک قاعدہ بنایا۔ اور اس قاعدے کی بنیاد پر بہت ساری صحیح حدیثوں کو رد کر دیا۔ قرآن کی تشریح قرآن سے ہوتی ہے۔ قرآن کی تشریح حدیث سے ہوتی ہے، حدیث کی تشریح حدیث سے



ہوتی ہے۔ اگر ثابت شدہ حدیثیں ہیں تو وہ اخبار آحاد ہوں یا متواتر، ان کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔ دونوں کو ملا کر جو شریعت سے ثابت ہو رہا ہے یعنی قرآن و حدیث کی دلیلوں کو ملا کر جو ثابت ہو رہا ہے وہ مانیں گے۔ لیکن بہت سارے لوگوں نے ان میں فرق کر کے بہت ساری حدیثوں کو رد کر دیا۔ بہت ساری سنتوں کو رد کر دیا۔ اخبار آحاد پر آپ صرف امام بخاری کا باب پڑھ لیجئے۔ انہوں نے پچاسوں دلیلیں دی ہیں کہ خبر واحد بھی انسان کے لئے حجت ہے۔ اذان ایک آدمی دیتا ہے، سارے لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں کہ نہیں آتے؟ اب آپ بولیں گے کہ حدیث نقل کرنے والے بہت زیادہ لوگ نہیں ہیں، اس لئے ہمیں اس پر شک ہے، ہم اس کو نہیں مانیں گے۔ اذان ہو رہی ہو تو آپ کو شک ہوتا ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے کہ نہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے کتنے صحابہ کرام کو مبلغ بنا کر اکیلے بھیجا، انہوں نے دعوت تو حید دی، لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک ہی آدمی کی خبر پر تو حید کو قبول کر لیا، دین اسلام کو قبول کر لیا۔ معلوم ہوا اخبار آحاد دلیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ اہل علم کا ایک اصول یہ ہوا کہ شریعت کی دلیلوں میں تفریق نہیں کی جائیں گی کہ اس دلیل کو مانیں گے، اس کو نہیں مانیں گے۔ خبر واحد کو عقیدے میں حجت نہیں مانیں گے۔ مجھے ایک بہت پیاری دلیل یاد آرہی ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بڑی زبردست بحث کر کے اور بڑی پیاری دلیل دے کر ان لوگوں کا رد کیا جو کہتے ہیں کہ اخبار آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوگا۔

یہاں پہلے متواتر اور آحاد کو پہچان لیں: **متواتر** اس حدیث کو کہتے ہیں کہ: ”روایت کرنے والے صاحبین ہر طبقہ میں اتنی بڑی تعداد میں ہوں کہ سب لوگ مل کر غلطی سے بھی جھوٹ نہیں بول سکتے یا جھوٹ پر متفق نہیں ہو سکتے۔“ یہ متواتر حدیث کی تعریف ہے۔ اس کے مقابل جو حدیثیں حد تواتر کو نہ پہنچیں (ان میں متواتر ہونے کی کوئی شرط نہ پائی جائے تو وہ اخبار آحاد کہلاتی ہیں۔ اس

بحث کو سمجھنے کے لئے قارئین کرام کی سہولت کی خاطر چند اقتباسات پیش ہیں: رسالہ اصول حدیث، مؤلف ابو عبد الرحمن اقبال احمد محمد اسحاق بلکوہری۔ استاد محترم حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

**خبر متواتر:** ”اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ممکن نہ ہو۔“ اور

**خبر واحد** (یا اخبار آحاد): ”اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں روایت کرنے والوں کی تعداد کم ہو (جو حد تو اتار تک نہ پہنچے)۔“

متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو علم ضروری کہا جاتا ہے۔ مقبول خبر آحاد سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کو علم ظنی کہا جاتا ہے۔ الا یہ کہ اس کی صحت کے لئے کوئی اور قرینہ موجود ہو تو اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے تو اس کو علم نظری کہا جاتا ہے، ان قرینوں میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) روایت کا صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں ہونا چونکہ علماء (فن) نے ان کتابوں کو از روئے صحت قبول کیا ہے اس لئے یہ مزید قرینہ ہوا۔

(۲) روایت کا خبر مشہور ہونا جو متعدد طرق سے وارد ہو۔

(۳) اصحاب الاسانید اور ائمہ متقنین کے واسطہ سے آنا (روایت کا مروی ہونا) بشرطیکہ وہ

غریب نہ ہو۔

**علم ضروری:** اس علم کو کہتے ہیں جس کے ثبوت کے لئے استدلال کی ضرورت نہ ہو (جیسے دو اور دو چار۔ ناقل) اس کو علم بدیہی بھی کہا جاتا ہے۔

**علم نظری:** اس علم کو کہتے ہیں جو بحث و نظر اور استدلال سے ثابت ہو نیز اس کے علاوہ اس کی صحت کے لئے مزید قرینہ موجود ہو۔

**علم ظنی:** اس علم کو کہتے ہیں جو بحث و نظر اور استدلال سے ثابت ہو مگر صحت کے لئے مزید

قرینہ موجود نہ ہو۔ اس میں یقین کا پہلو رائج اور شبہ (شک) کا پہلو مروج ہوتا ہے۔

اخبارِ آحاد جن میں راویانِ حدیث کی ثقاہت کے علاوہ دیگر کوئی قرینہ نہ ہو ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بھی علم یقینی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی صحت (صحیح ہونے) کے لئے بھی راویانِ حدیث کے حالات میں بحث و نظر کے بعد ہی استدلال کر کے حکم لگایا جاتا ہے، چونکہ مزید قرینہ کی وجہ سے اس کی صحت کا درجہ بڑھ جاتا ہے اس لئے محدثین نے اس فرق کی تعبیر کے لئے ایک کو نظری اور دوسرے کو ظنی کہہ دیا، جس میں لغوی معنی سے زیادہ اصطلاحی معنی کا دخل ہے۔ ویسے بھی ظن یقین کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی ظن بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔ ارشاد الہی ہے: ﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ﴾ (”جنہیں ”یقین“ ہے“ کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔) یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے۔ معلوم ہوا، ظن سے مراد، مجرد تخمینہ اور اندازہ نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی علم یقینی ہی مراد ہے۔

اور علم کی یہ تینوں قسمیں: ضروری، نظری اور ظنی۔ ان سے جو بھی علم حاصل ہوتا ہے وہ سب یقینی ہوتا ہے البتہ ان کے درجات میں فرق ہوتا ہے۔ اصطلاح میں ایک کو ضروری دوسرے کو نظری، تیسرے کو ظنی کہا جاتا ہے۔

یعنی علم یقینی ضروری، علم یقینی نظری، علم یقینی ظنی (رسالہ اصول حدیث، ص 18-19 الفاظ کے

تھوڑے سے تصرف کے ساتھ)

شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی حفظہ اللہ نے اپنے مقالہ بعنوان: ”خبر واحد: مفہوم اور شرعی

**حیثیت**“ کے تمہیدی کلمات میں کہتے ہیں: ”مبطلین و مفسدین کی جملہ جماعتوں نے ابطال اسلام اور افسادِ شریعت کے مقصد سے، اسلام اور اس کے تشریعی مصادر پر اپنے بھانت بھانت کے اصول و قواعد، اوہام و خیالات اور افکار و نظریات سے قدغن لگانے کی کوشش کی۔ مفسدین و

مبطلین کے انہیں اصول و قواعد میں سے خبر واحد کا اصول اور قضیہ بھی ہے جو اس امت کو اپنے دین سے منحرف کرنے کے لئے کرائے کا اہم ترین ذریعہ اور حیرت انگیز فتنہ ہے۔۔۔۔۔

پھر محترم مقالہ نگار نے مختلف ذیلی عناوین کے تحت بحث فرمائی اور پھر خبر متواتر اور اخبار آحاد کے متعلق مختلف گروہوں اور افراد کے لگ بھگ اٹھائیس (۲۸) نظریات اور آراء کا ذکر فرمایا ہے یہاں تک کہ ان میں سے چار نظریات نقل کئے جا رہے ہیں: کہتے ہیں۔۔۔۔۔

(۸) خبر واحد کے بارے میں آٹھواں نقطہ نظریہ ہے کہ ”**الْأَحَادُ لَا تُفِيدُ الْعِلْمَ**“

”آحاد علم کا فائدہ نہیں دیتیں۔“ صحابہ، تابعین اور ائمہ اسلام کے خلاف معتزلہ، جہمیہ، رافضہ اور خوارج کی موافقت میں بعض فقہاء اور اصولیوں نے یہ بات کہی ہے جبکہ علامہ ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ قول ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے: ”**قَصَصُ الْقُرْآنِ لَا يُفِيدُ الْعِلْمَ**“ ”قرآنی قصے علم کا فائدہ نہیں دیتے۔“ (از: الصواعق ص 508) اس لئے نصوص قرآنی کے مبطلین کے نزدیک (قرآن کی متواتر خبریں) باعتبار دلالت علم کا فائدہ نہیں دیتیں اور اخبار آحاد باعتبار دلالت اور باعتبار سند اس کا فائدہ نہیں دیتیں۔

(۹) نواں نظریہ یہ ہے کہ: ”**إِنَّهَا تُفِيدُ الظَّنَّ فَقَطْ**“ یعنی خبر واحد صرف ظن کا فائدہ

دیتی ہے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے (پہلے اقتباس میں علم ظنی کا فائدہ ذہن نشین رہے۔ ناقل) لیکن لفظ ”**ظن**“ سے جو غلطیاں متقدمین و متاخرین بالخصوص ہندو پاک کے نام نہاد مصلحین کو ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ شیخ الحدیث مولانا اسماعیل گوجرانوالہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنی تحریروں میں کافی تشفی بخش بحثیں کی ہیں۔

(۱۰) دسواں نظریہ یہ ہے کہ خبر واحد علم کا تو نہیں لیکن عمل کا فائدہ دیتی ہے یعنی ”**إِنَّهَا**

**تُفِيدُ الْعَمَلَ وَلَا تُفِيدُ الْعِلْمَ**“ یہ نظریہ اپنے صغریٰ کبریٰ سے ہی بدابہت مردود ہے۔

(۱۱) گیارہواں خیال یہ ہے کہ خبر واحد عقائد کے باب میں حجت نہیں ہے لیکن احکام و مسائل کے باب میں حجت ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ”الحدیث حجة بنفسه في العقائد والاحکام“ میں اس کا بہترین جواب دیا ہے۔۔۔۔۔ (از کتاب: علوم الحدیث: مطالعہ و تعارف۔ مقالہ: خبر واحد: مفہوم اور شرعی حیثیت: مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی بس 151 اور ص 158-159)

بعض لوگوں کے نزدیک بشمول احناف یہ اصول مانا جاتا ہے کہ: ”اخبار آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔“ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے اخیر میں دعا سکھائی جس میں ہے کہ: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ“ (اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں مسیح دجال کے فتنے سے۔) اب مسیح دجال آئے گا، یہ عقیدے کی بات ہوئی۔ آپ کا قاعدہ یہ کہہ رہا ہے کہ خبر واحد سے آپ عقیدہ نہیں بنا سکتے۔ یہ حدیث خبر واحد کے ضمن میں آتی ہے۔ آپ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اس سے عقیدہ ثابت نہیں کر سکتے کہ دجال آنے والا ہے۔ لیکن آپ نماز میں یہ دعا کرو کہ اے اللہ! مجھ کو مسیح دجال کے فتنے سے بچالے۔ عمل کر سکتے ہو لیکن عقیدہ نہیں رکھ سکتے۔ آپ دعا کر رہے ہیں کہ مجھے مسیح دجال کے فتنے سے بچا۔ یہ عمل ہے۔ اور عقیدہ نہیں رکھ سکتے کہ مسیح دجال آنے والا ہے۔ جب آپ اللہ سے یہ دعا مانگ رہے ہو کہ مسیح دجال کے فتنے سے بچا تو یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مسیح دجال آنے والا ہی نہیں ہے۔ آپ یہ کہہ رہے ہو کہ عقیدہ نہیں بنا سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح دجال آنے والا ہی نہیں ہے۔ اس حدیث کو نہیں مانتے اور دعا مانگ رہے ہیں؟ یہ انتہائی لغو قسم کی بات ہے۔ غرض اہل سنت متواتر کی آڑ لے کر ثابت شدہ روایتوں کو رد نہیں کرتے، نہ ہی کسی اور راستے سے نصوص میں تفریق کرتے ہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو رد کریں۔

(۵) اسی طریقے سے اہل سنت والجماعت کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ: ”قرآن و حدیث کے

نصوص کو اس کے ظاہر پر جاری کیا جائے گا۔“ علمی بحث ہے۔ قرآن وحدیث عربی زبان میں ہیں۔ عربی زبان کے ایک لفظ کا جو معنی ہوتا ہے، اُس لفظ کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کے ”یَد“ یعنی ہاتھ ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿قَالَ يٰٓإِلۡلٰہِیۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسۡجُدَ لِہَا خَلَقْتُ بِیۡدَیَّ﴾ (سورہ ص: 75) اللہ نے فرمایا: ”اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔“ اس طرح متعدد آیات واحادیث میں اللہ کے لئے ”یَد“ کا اثبات کیا گیا ہے، چنانچہ اہل سنت کہتے ہیں اور مانتے ہیں کہ عربی زبان میں اور اہل عرب کے یہاں ”یَد“ کا جو معنی ہوتا ہے ہم اس لفظ کو اسی معنی۔ یعنی ہاتھ۔ پر محمول کریں گے کہ اللہ کے ہاتھ ہیں، نہ اس کا انکار کریں گے نہ اس کے معنی میں تحریف وتبدیلی کریں گے اور نہ اس کی تاویل کریں گے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ ہیں، اس کی مثال اور کیفیت بھی بیان نہیں کرتے کہ اس کے ہاتھ کیسے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ﴿لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ وَہُوَ السَّۡبِیۡحُ الْبَصِیۡرُ﴾ (سورہ شوریٰ: 11) ترجمہ: ”اس کے جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“ تو اس کا ہاتھ ہے، ہم یہ مانتے ہیں۔ کیسا ہے؟ جیسے اس کے شایان شان ہے۔ اس کے لائق وزیبا ہے۔ اور اس کے لئے کسی قسم کی مثال یا تشبیہ نہیں دیتے، اس کی کیفیت بیان نہیں کرتے۔ یہ ایک الگ چیز ہے، لیکن نصوص کو اس کے ظاہری الفاظ پر جو عربی زبان کے قاعدے کے مطابق اس کا معنی و مفہوم ہوتا ہے اسی پر محمول کریں گے۔ اگر کوئی نص، کوئی لفظ قرآن وحدیث میں ایسا آیا ہے کہ اس کے کبھی معنی ہوتے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ اس کا ظاہری معنی سیاق وسباق سے کیا ہوتا ہے۔ (اور قرآن کے سب سے پہلے مخاطبین یعنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا کیا معنی و مراد سمجھا ہے۔) اسی معنی پر اس کو محمول کیا جائے گا۔ اس کو بلاوجہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا

معنی یہ نہیں ہے۔ ہاتھ کا معنی ہاتھ نہیں ہے بلکہ اللہ کی قدرت مراد ہے۔ فلاں چیز کا معنی فلاں نہیں ہے بلکہ فلاں چیز ہے۔ یہ باتیں ہم نہیں کہیں گے۔ جس طرح معتزلہ (عقل پرستوں) اور گمراہ فرقوں نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ قرآن وحدیث کی جو آیتیں آتی ہیں ان کی تاویل کرتے ہیں۔ ابھی ہمارے شیخ بتا رہے تھے کہ انہوں نے مودودی صاحب کا ترجمہ ”تفہیم القرآن“ دیکھا۔ اس میں انہوں نے ”وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ“ کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ: ”اس کی حکومت نے آسمان وزمین کو گھیر رکھا ہے۔“ انہوں نے کرسی کا ترجمہ ”حکومت“ سے کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ عربی زبان میں کرسی کا یہ معنی نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام نے کیا سمجھا؟ ضروری ہے کہ اگر نصوص کو ان کے ظاہری معنی پر رکھیں۔ اپنی عقل سے یا صحیح قاعدے سے ہٹ کر معنی طے کیا جائے تو اس میں گمراہی کا امکان ہے۔ بلکہ یہ یقینی اور حتمی بات ہے کہ یہ اللہ کے ناموں، صفوتوں اور عقیدے کے سلسلے میں قرآن وحدیث کے جو بیانات ہیں ان کے تیل اگر آدمی ظاہر (ظاہری معنی) سے ہٹ کر تاویل کرتا ہے تو گمراہیوں کا شکار ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ: ”دنیا میں جتنی بھی قسم کی گمراہیاں آتی ہیں وہ اکثر تاویل باطل سے پیدا ہوتی ہیں۔“ ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے کے لئے اللہ کے حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ اس انکار کے لئے تاویل فاسد سے سہارا لیا، سورج، چاند، تاروں، شجر حجر، انبیاء، اولیاء اور دیگر غیر اللہ کی پرستش، تاویل فاسد کی بنیاد پر کی گئی۔۔۔ وغیرہ۔

(۶) عقیدے کے سلسلے میں آخری قاعدہ بیان کر رہا ہوں جس کا لحاظ کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ: ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنا اور نصوص شرعیہ میں ان کی فہم کا لحاظ رکھنا۔“ کچھ لوگ اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ کیا قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم کی پابندی کی جائے گی؟ جی ہاں! یہ کسی انسان، مولوی، فرقے کی لگائی ہوئی پابندی نہیں ہے

بلکہ قرآن وحدیث میں کہا گیا ہے۔ اس کی بہت ساری دلیلیں ہیں کہ قرآن وحدیث کو اسی طرح مانیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (سورہ توبہ: 100) اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہے، مطلب یہ کہ اللہ کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ صحیح ہے۔ صحابہ کی عبادات اللہ کے نزدیک صحیح عبادات ہیں۔ تو جب اللہ ان سے راضی ہوا، اس کا مطلب ہے کہ ان کے عقیدے، اعمال سے راضی ہوا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو بھی وہی عقیدہ وعمل اختیار کرنا چاہئے جس سے اللہ راضی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾ (سورہ بقرہ: 137) (اگر لوگ بھی ویسے ہی ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لاتے ہو یعنی صحابہ کرام تو وہ ہدایت والے ہو جائیں گے۔) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو ہدایت کے مینار اور تاقیامت لوگوں کے لئے۔ عقیدہ ومنہج اور عمل میں۔ نمونہ ہیں۔ اسی طرح اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (سورہ نساء: 115) ترجمہ: ”جو شخص ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور ”تمام مومنوں“ کی راہ چھوڑ کر (دوسری راہ پر) چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو گیا اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔“ اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت جب قرآن نازل ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا کہ مسلمانوں



(مومنوں) کے راستے سے ہٹ کر جو دوسرے راستے پر چلے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا اور ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ آیت کے نزول کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی مومنین تھے چنانچہ صحابہ کرام کے راستے سے بٹنا، جہنم میں جانے کا ذریعہ ہے۔ یہ بات قرآن کی اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوئی۔ قرآن کی اور بھی کئی آیات جن سے اہل سنت کا۔ زیر بحث۔ موقف اور دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ یہاں مصنف نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے نجات پانے والے گروہ کی نشانی بتائی کہ اس گروہ کا مسلک، عقیدہ اور عمل وہی ہوگا جو (مَا آتَا عَلَیْهِ وَاصْحَابَیْ) جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ جس پر میں ہوں یعنی رسول ہیں۔ رسول ﷺ جس پر تھے وہ سنت ہے۔ صحابہ جس پر ہیں وہ جماعت ہے۔ اس کو ماننے والے اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور یہی اہل حدیث اور سلفی کہلاتے ہیں۔ تو (مَا آتَا عَلَیْهِ وَاصْحَابَیْ) کی دلیل سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم کو وہی عقیدہ اختیار کرنا چاہیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ وہی منہج اختیار کرنا چاہئے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ قرآن و حدیث کو اسی طرح سمجھنا چاہئے جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا۔ ان کی اتباع اسی طرح کرنی چاہئے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی۔ مصنف نے ایک اور بڑی پیاری دلیل دی جو میں نے بھی بعض جگہ تقریروں میں بیان کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تارے آسمان کے محافظ ہیں۔ جب تک ستارے ہیں، آسمان محفوظ ہے۔ ستارے جھڑ جائیں گے قیامت آجائے گی، آسمان چلا جائے گا۔ ایسے ہی میں، اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ضامن ہوں، جب تک میں ہوں، صحابہ رضی اللہ عنہم پر فتنے نہیں آئیں گے۔ میں جب چلا جاؤں گا تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر آزمائشیں آئیں گی۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محافظ ہیں، جب تک صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں فتنے نہیں آئیں گے، صحابہ کے جانے سے فتنے آئیں گے۔“ (بخاری و مسلم) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آسمان

کے ستاروں کی مانند کہا کہ جیسے ستارے موجود ہیں تو قیامت نہیں آئے گی ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلنے سے یا جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں تو گمراہی اور فتنے نہیں آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طرح سے ہیں جیسا کہ ستاروں سے راستہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ نے ستاروں کی تخلیق اور پیدائش کا ایک مقصد یہ بتایا ہے کہ ان سے شیاطین کو مار بھگا یا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے بدعات و خرافات، منحرف افکار اور گمراہ لوگوں کے مسلک کو رد کر سکتے ہیں۔ جس طرح آسمان کے ستارے شیاطین کو مار بھگاتے ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ گمراہ کن شیاطین الانس والجن کو مار بھگا یا جاسکتا ہے چنانچہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ نہیں ہے اگر کوئی وہ عقیدہ اختیار کر رہا ہے تو وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ صحابہ کرام کے ذریعہ سے اس کو رد کر سکتے ہیں۔ اسی طریقے سے مصنف نے امام غولانی اور ابن قیم وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں کہ: ”ہمیں چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو عقیدہ ملے اسی کو اختیار کریں۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں مانتے اس کو اختیار نہ کریں۔“ اس بات کی تائید کے لئے بخاری وغیرہ کی حدیث ”خَيْرُ النَّاسِ قُرْنِي“ (سب سے بہترین زمانہ میرا ہے۔) اور دوسری دلیلیں پیش کیں۔ حضرت امام اوزاعی کہتے ہیں کہ: ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدے اور عمل سے ہٹ کر آپ کو جو بھی ملے اسے چھوڑ دو۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ و منہج تھا اسے اختیار کرلو۔“

حاصل کلام یہ کہ ہم کو قرآن و حدیث اور عقیدے کو اختیار کرنا ہے تو یہ پابندی اصولی طور پر کرنا ہے۔ یہ گائیڈ لائن ہیں، بنیادی اصول ہیں۔ ان کو چھوڑ دینے والے گمراہ ہو گئے۔ بھٹک گئے، مختلف قسم کی گمراہیوں کا شکار ہو گئے۔ اور یہ جتنی باتیں میں نے بیان کی ہیں، بہت کم اور مختصر بیان کی ہیں، ان میں سے ہر بات کی بھرپور دلیلیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ ہمیں سختی کے ساتھ ان اصولوں پر

کار بند رہنا چاہئے، ورنہ ہم راہ حق سے بھٹک جائیں گے اور گمراہی سے نہ بچ پائیں گے۔

مصنف نے جو آخری عنوان قائم کیا ہے اس کے تحت چند باتیں نقل کی ہیں کہ: ”وہ چند اقوال جو اس بات کو لازم قرار دیتے ہیں کہ دین کے معاملے میں ہم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منہج، طریقہ اور عقیدہ اختیار کرنا چاہئے۔“ اس کی تائید میں امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور کئی ائمہ کے اقوال انہوں نے نقل کئے ہیں اور ثابت کیا کہ اہل حق کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ لازم پکڑنا چاہئے تبھی عقیدے میں گمراہ نہیں ہوں گے۔ یہ چند مقدمات ہیں، سارے اصول نہیں۔ ابھی کئی اصول اور قاعدے جو بہت اہم ہیں بیان کرنے باقی ہیں۔ خاص طور پر اسماء و صفات کے باب میں۔ ان شاء اللہ کسی اور موقع پر۔ آج میں نے درس دیا تو مجھے بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ اگر کسی کتاب کا درس پیش کرنا چاہتے ہیں تو دن بھر الگ الگ نشستوں میں دو تین درس ہونے چاہئیں۔

یہ چیزیں چند مقدمات کے طور پر میں نے پیش کی گئی ہیں، اخیر میں صاحب رسالہ نے سلف میں سے کچھ لوگوں کی عقیدے کی کتابوں کے نام کی فہرست بھی دی ہے اور بتایا ہے کہ اگر ہم صحیح عقیدہ سیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں امام بخاری، امام احمد بن حنبل، امام شافعی رحمہم اللہ اور ان لوگوں کی عقیدے سے متعلق کتابیں ہیں، ابن مندہ، امام قتادہ اور ان جیسے اسلاف کی معتبر اور مستند عقیدے سے متعلق کتابیں پڑھنی اور سیکھنی چاہئے، مستند علماء میں سے بعض لوگوں کی عقیدے سے متعلق کتابیں بطور مثال یہ ہیں:

(۱) امام شافعی (وفات 204ھ) کی ”الفقہ الکبیر“ (اسی نام سے ایک رسالہ امام

ابو حنیفہ (وفات 150ھ) کا بھی ہے۔

(۲) ابن ابی شیبہ (وفات 235ھ) کی ”السنة“

(۳) امام احمد بن حنبل (وفات 273ھ) کی ”السنة“

(۴) امام بخاری (وفات 256ھ) کی ”صحيح البخارى“ کے اخیر میں ”كتاب

التوحيد“ یا ”كتاب الرد على الجهمية“

(۵) ابو بکر محمد بن اسحق بن خزیمہ النیما بوری (وفات 311ھ) کی ”كتاب التوحيد

واثبات صفات الرب عز وجل“

(۶) ابو عبد اللہ محمد اسحق بن منہ (وفات 395ھ) کی ”كتاب التوحيد ومعرفة

اسماء الله عز وجل وصفاته على الاتفاق والتفرد“

(۷) امام ابوالحسن الاشعری (وفات 329ھ) کی ”الابانة عن اصول الديانة“

(۸) ابو حاتم الرازی (وفات 327ھ) کی ”اصل السنة واعتقاد الدين“

(۹) ابو العباس ابن سريج البغدادی (وفات 306ھ) کی ”كتاب التوحيد“

(۱۰) ابن بطہ (وفات 387ھ) کی ”الشرح والابانة عن اصول الديانة“ جو کہ

”الابانة الصغرى لابن بطه“ کے نام سے معروف ہے۔

(۱۱) عبد القاهر البغدادی (وفات 429ھ) کی ”اصول الدين“

(۱۲) اثرم البغدادی (وفات 273ھ) کی ”السنة“

(۱۳) ابو علی حنبل بن اسحق بن ہلال (وفات 273ھ) کی ”السنة“

(۱۴) ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی صاحب السنن (وفات 273ھ) کی

”السنة“

(۱۵) اسی ابن ابی ماسم کی ”السنة“

(۱۶) امام حمیدی کی ”السنة“

(۱۷) خلال کی ”السنة“

(۱۸) امام ابو محمد حسن بن علی البرہاری (وفات 329ھ) کی ”شرح السنة“

وغیرہا۔

عقیدہ کو ”السنة“ بھی کہا جاتا ہے۔ بچپن میں ہم لوگ ”السنة“ پڑھتے تھے تو سمجھتے تھے کہ حدیث کی کتاب ہوگی، بعد میں پتہ چلا کہ صرف احادیث کو نہیں بلکہ صحیح عقیدہ کو بھی ہمارے سلف ”السنة“ کہا کرتے تھے کیونکہ جو لوگ غلط عقیدہ اختیار کرتے وہ بدعت میں پڑ کر گمراہ ہو گئے۔ تو عقیدے میں صحیح عقیدہ سنت ہے اور غلط عقیدہ بدعت ہے۔

میرے بھائیو! آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان بیان کردہ اصولوں اور مقدمات کو جو دلائل سے ثابت شدہ ہیں اور اصولی طور پر حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی مسلک والے لوگ انہیں مانتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ جو کچھ معمولی چیزوں میں اختلاف ہو۔ مجموعی طور سے ان اصولوں کو تمام اہل حدیث اور اہل سنت مانتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہی اصولوں پر کاربند تھے لیکن آج عوام ہی نہیں خواص اور آج کی تعبیر میں بہت سے دین پسند لوگ بھی ان اصولوں سے لاعلم یا غافل ہیں اور ان کے بارے میں بے توجہی برتتے ہوئے ہیں جبکہ یہ اصول جن میں سے بعض کو قدرے تفصیل سے اور کچھ کو سرسری طور پر ذکر کیا گیا، اگر ہم سمجھ کر عقیدے اور منہج کے باب میں مضبوطی سے پکڑ لیں تو آج ہمارے گرد و پیش میں دینی و فکری انحرافات کی مختلف شکلوں میں پائے جانے والے فتنوں سے ہم محفوظ ہو جائیں گے، یہ اصول و مقدمات ہمیں بہکنے اور باطل افکار و دینی بگاڑ سے متاثر اور مرعوب ہونے سے بچالیں گے۔ ان شاء اللہ

ہمارے بہت سارے نوجوان جو لوگ ٹی وی پر کچھ لوگوں کو دیکھ کر، ظاہری چمک اور فالوورس اور لائک کرنے والوں کی تعداد دیکھ کر کسی کے بھی پیچھے چل پڑتے ہیں اور نتیجے میں صحیح

علم، صحیح دین اور علماء حق سے بدظن و برگشتہ ہو کر مختلف قسم کی بے راہ روی اور گمراہی کے شکار ہو جاتے ہیں، حالات دیکھ کر، ہمارے کچھ نوجوان عقلیت یا اخوانیت کی پُر فریب فکر اور اس کے خوشناما نعروں اور شور و ہنگاموں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ایک آدمی آتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کا مسئلہ حل کر دیں گے، اس کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں۔ کوئی بہر و پیا، دشمنان اسلام کا کوئی ایجنٹ (کوئی مسیحیت کا دعویدار، کوئی انجینئر، کوئی اور اٹھتا ہے اور دین کے رنگ میں نت نئی فکر، فلسفہ اور گمراہ منہج پیش کرتا ہے، دین کے مسلمات کی مخالفت کرتا ہے اور ہمارے نوجوان اس کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں تو اس صورت حال کا مطلب کیا ہے؟ جانتے ہیں آپ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو عقیدے کے مقدمات، اصول اور ضابطے کی چیزیں ہیں (جنہیں بہت پختہ طریقے سے ہمیں اپنے گھروں میں ایک ایک بچے اور بچی کو پڑھانا چاہئے۔) وہ ہمارے بچے اور نوجوان جانتے نہیں ہیں، سیکھتے نہیں ہیں۔ میرا یہ دعویٰ ہے، اللہ کے اس گھر میں کہہ رہا ہوں اپنے ناقص علم کی بنیاد پر کہ اگر ان مقدمات پر ہم نے اپنی اور اپنے بچوں کی تربیت کر لیں، دل و دماغ میں یہ باتیں دلیلوں کے ساتھ گھسالیں، رچا بسالیں تو دنیا کا کوئی باطل مذہب انہیں متاثر نہیں کر سکے گا اور کوئی گمراہ کرنے والا، گمراہی پھیلانے والا انسان انہیں صراطِ مستقیم سے بھٹکا نہیں سکے گا اور یہ جو ہم رونا روتے ہیں کہ وہ اخوانی ہو گیا، وہ قادیانی ہو گیا، وہ منکر حدیث ہو گیا، وہ (رافضیت زدہ انجینئر سے فلاں مدعی نبوت سے اور فلاں) فلاں سے متاثر ہو گیا، ٹی وی پر آنے والے نے کہا کہ ہم اپنے آپ کو اہل حدیث نہ بولیں، اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، ان کے پیچھے ہم اپنا دماغ اور انرجی کھپانے میں لگ جاتے ہیں، مگر گمراہی سے متاثر کوئی شخص حق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، یہ ساری کمزوریاں اس لئے آئیں کہ ہمارے اندر منہجیت نہیں ہے۔ اصولوں اور ضابطوں کی مضبوطی نہیں ہے۔ صحیح بنیادوں کی تربیت نہیں ہے۔ یہ چند اصول جو میں نے پیش

کہتے ہیں، مجھے اعتراف ہے کہ کچھ چیزیں تشنہ ہیں۔ میں نے دو تین اصول جو بیچ میں بیان کئے جیسے ”نصوص کو اس کے ظاہر پر جاری کیا جائے گا۔“ اس کا تفصیل بیان کرنے کا جیسا حق ہے میں نے بیان نہیں کیا۔ لیکن ان چیزوں کو آپ علمائے کرام سے سمجھیں۔ اور سمجھ کر اپنے بچوں کو سمجھا دیں تو آئندہ آپ کو فکر نہیں رہے گی کہ کوئی آدمی امریکہ یا یورپ میں چلا گیا یا دنیا کے کسی بھی حصے میں چلا گیا تو وہ لوگوں کے ظاہری حالات اور چمک دمک دیکھ کر کسی کوئی وی چینل پر دیکھ کر کسی کو بہت بڑا دیکھ کر، یوٹیوب یا انٹرنیٹ پر کسی کے فالووز یا لائکس کی تعداد دیکھ کر کسی کو ہوا میں اڑتا دیکھ کر یاسن کر متاثر ہو جائے اور قرآن و حدیث کی بجائے کوئی اور عقیدہ قبول کر لے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور یہ صحیح سمجھ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ“ (اللہ جس کے ساتھ بھلا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔) اس کا الٹا معنی یہ ہوا جس کو دین کی سمجھ نہیں ہے اس کے ساتھ اللہ نے بھلا نہیں چاہا۔ تو اللہ کے بھلا چاہنے پر دین کی سمجھ ملتی ہے۔ یہ جو ہم نے عقیدہ سیکھنے سکھانے کی کوشش کی ہے یہ اللہ کی توفیق سے ہوا ہے اور اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ خیر چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو اسے بھی دیتا ہے جسے پسند کرتا ہے اور اسے بھی جس کو پسند نہیں کرتا۔ فرعون اور ابوجہل کو بھی دنیا دی لیکن دین صرف اس کو دیتا ہے جس کو پسند کرتا ہے۔ لہذا ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہو جائیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ جنہیں پسند کرتا ہے، انہیں دین تو دیتا ہی ہے دنیا بھی عطا فرماتا ہے۔ (دولت نہ سہی سعادت و عزت سے نوازتا ہے۔)

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت کی تمام خیر و بھلائی سے نوازے، تمام شر و روفتن سے ہمیں محفوظ رکھے، یہ جو ہم نے جمع ہو کر عقیدے اور دین کی کچھ باتیں سمجھنے کی کوشش کی ہے

پروردگار اس کو ہمارے لئے دنیا و آخرت میں مفید اور صدقہ جاریہ بنائے، ہمیں صحیح عقیدے کو سمجھنے والا بنائے اور اس کی بنیاد پر ہمیں اپنے اہل و عیال اور گرد و پیش کے لوگوں کے لئے مشعل راہ بنائے۔ آمین

اقولی قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین، وصل  
الله علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعه باحسان الی یوم  
الدین، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین



دكتور عبد الله بن الشَّريقه

کی تالیف

”مُقَدَّمَاتٌ فِي الْعَقِيدَةِ“

کے درس سے مستفاد